إنَّ مِنَ البَيانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- دُعا کے فضائل اور قبولیتِ دُعا کی شرائط
- مُتّقی بننے کا طریقہ
- مصائب اور مُشکلات کا عِلاج
- مُعاملات اور مُعاشرت، دو اہم شعبے
- تصوّف کی حقیقت و اہمیت
- امریکہ میں مُسلمان کس طرح رہیں
- ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ
- دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دُنیا میں اُن کی ضرورت
- دینی مدارس کا نظام - ایک تعارف

جِلد ششم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مُحمّد رفیع عُثمانی مدظلہم

بیت العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ششم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب: اصلاحی تقریریں
جلد: ششم
مقرر: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم، کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو "تقریریں" کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں "اصلاحی تقریریں" کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور "جامعہ اشرفیہ لاہور" کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چھ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ "اصلاحی تقریریں (جلد ششم)" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے

ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور جلد سوم کے بعد کی جلدوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور استاذ مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ نے ضبط و ترتیب کا یہ کام اس مفید اضافے کے ساتھ کہ تقریروں میں بیان ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے مفصل حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزندار جمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم،

چہارم اور پنجم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ششم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

دعا کے فضائل اور قبولیت دعا کی شرائط

متقی بننے کا طریقہ

مصائب اور مشکلات کا علاج

معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے

تصوف کی حقیقت واہمیت

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں

ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ

دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت

دینی مدارس کا نظام............ایک تعارف

دُعا کے فضائل اور قبولیتِ دُعا کی شرائط

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۲۵ جولائی ۲۰۰۳ء
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعا کے فضائل اور قبولیت دعا کی شرائط

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o و اِذَا سَأَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیْبٌ o أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ o و قال تعالٰی: أُدْعُوْنِی أَسْتَجِبْ لَکُمْ o

دعا پسندیدہ ترین عبادت:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

میں نے آپ کے سامنے ایک آیت تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ:

﴿ادعونی استجب لکم.﴾

''تم مجھ سے دعا مانگو، میں قبول کروں گا۔''

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے سے مانگنے کا حکم دے رہے ہیں۔ دعا کی عبادت ایک ایسی عبادت ہے جو اللہ رب العالمین کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

نماز کا آغاز اور اختتام دعا پر ہے:

نماز سب سے افضل عبادت ہے لیکن اسے اللہ رب العالمین نے شروع بھی دعا سے کیا اور ختم بھی دعا پر کیا۔ شروع میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں جس میں یہ دعا مانگتے ہیں:

﴿اھدنا الصراط المستقیم.﴾

''اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دعا سے پہلے اللہ کی حمد کی جائے۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ میں دعا سے پہلے حمد سکھائی گئی۔ پہلی تین آیات میں حمد بیان ہوئی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی گئی کہ ''اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔'' تو غور سے دیکھا جائے تو نماز کا آغاز دعا سے ہی ہوا ہو اس سے پہلے جو کچھ ہے وہ دعا کی تمہید ہے۔ اسی طرح نماز ختم بھی دعا پر ہوتی ہے۔ درود شریف رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا ہے اور درود شریف کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں کوئی بھی مسنون دعا پڑھی جا سکتی

ہے مثلاً "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة .... الخ ، یارب اجعلنی مقیم الصلوٰة .... الخ" پڑھی جا سکتی ہے اور یہ سب دعائیں ہیں۔

دعا عبادت کا مغز ہے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز کا حاصل اللہ کا ذکر ہے۔ پھر اللہ کا ذکر بھی کئی طرح سے ہے، کہیں حمد کی صورت میں ہے، کہیں تسبیح کی صورت میں، کہیں قرآن مجید کی تلاوت کی صورت میں ہے اور کہیں دعا کی صورت میں ہے۔ اور ہر ایک صورت اپنے اپنے لحاظ سے افضل ترین طریقہ ہے۔ دعا ان میں سے خصوصی لحاظ سے افضل ترین طریقہ ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنی عاجزی کا اظہار کر کے اپنی مرادیں مانگتا ہے کہ یا اللہ! میرے قبضۂ قدرت میں کچھ نہیں، دینے والے آپ ہیں، آپ ہی عطا فرمائیں گے تو مل جائے گا، نہیں دیں گے تو نہیں ملے گا۔ اور اللہ رب العالمین کو اپنے بندوں کی عاجزی اور انکساری بہت پسند ہے۔ بندہ اپنے آپ کو جتنا عاجز ظاہر کرتا ہے، اللہ رب العالمین کی رحمت اتنی زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿الدُّعاءُ مُخُّ العِبَادَةِ﴾ (مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۲۳۱)

"دعا عبادت کا مغز ہے۔"

دعا سے تعلق مع اللہ میں پختگی آتی ہے:

دعا ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے کہ اس میں نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے اور نہ محنت خرچ ہوتی ہے لیکن مؤثر سب سے زیادہ ہے۔ دعا کی عادت ڈالنے کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ رب العزت سے جڑ جاتا ہے، اور یہ تصور پختہ ہو جاتا ہے کہ دینے والا ایک ہی ہے، اس سے نہ مانگیں تو اور کس سے مانگیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ:

ایک اللہ والے بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مریدوں کے ساتھ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہے۔ صبح کے قریب آواز آئی کہ تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسری رات کو پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ رات بھر جاگتے رہے لیکن پھر یہی آواز آئی کہ کوئی عبادت قبول نہیں۔ غرض اس طرح کئی راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ مریدوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہو رہی تو آپ یہ محنت کیوں کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ تو پھر کوئی دوسرا دروازہ بتا دو اس کے علاوہ اور کس کے در پر جاؤں۔ بس پھر اللہ کی رحمت ہو گئی اور آواز آئی کہ یہ عبادت بھی قبول اور پچھلی ساری بھی قبول۔ یہ کتنا عظیم فائدہ ہے ایک در کے ساتھ لگے رہنے کا۔

دعا تمام بلاؤں سے حفاظت کرتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دعا انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے ان بلاؤں سے بچانے میں بھی جو ابھی تک نازل نہیں ہوئیں اور ان بلاؤں کو دور کرنے میں بھی جو نازل ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے دعا ہماری زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔

دعا بھی کرو اور محنت بھی کرو:

زندگی کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا بھی سنت عمل ہے لیکن دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ محنت اور کوشش کرتے ہیں، دعا نہیں کرتے اور بعض لوگ دعا کر کے بیٹھ جاتے ہیں محنت اور کوشش نہیں کرتے۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دعا بھی کرو اور محنت بھی کرو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب محنت و کوشش کر لی تو پھر دعا کی کیا ضرورت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی اس لیے ضرورت ہے کہ محنت میں اثر پیدا کرنا تو اللہ ہی

کے قبضہ میں ہے، اگر وہ نہ چاہے تو ہزار محنت کر ڈالو، زمین و آسمان کے قلابے ملا ڈالو، ذرہ برابر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسباب میں کچھ نہیں رکھا۔ اسباب میں تاثیر ہی نہیں ہے، تاثیر تو اللہ کے حکم اور اس کے ارادے میں ہے لیکن اللہ نے اسباب بھی پیدا کیے ہیں تاکہ آدمی صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے بلکہ کچھ ہاتھ پاؤں بھی ہلائے۔

توکل کا صحیح مطلب:

یہی حال توکل کا ہے، بعض لوگ توکل کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جاؤ، صرف اللہ پر بھروسہ کرو۔ کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ غلط فہمی ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی محنت نہ کرے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کوشش کرے پھر اللہ سے یہ دعا کرو کہ وہ اس میں اثر ڈال دے۔ اسی مضمون کو یوں بیان کیا گیا:

''برتوکل پائے اشتر بند''

یعنی اگر تم سفر میں ہو اور اونٹنی یا کوئی جانور تمہارے ساتھ ہے تم سونا چاہتے ہو اور یہ خطرہ ہے کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے تو توکل کا مطلب یہ نہیں کہ بے خوف ہو کر سو جاؤ اور یہ خیال کرو کہ اللہ میاں خود اس کی حفاظت کر دے گا بلکہ توکل یہ ہے کہ اس جانور کو باندھو اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہو کہ یا اللہ! جو میرے کرنے کا کام تھا، وہ میں نے کر لیا، اب معاملہ آپ کے سپرد ہے، آپ اس کی حفاظت فرما دیجئے۔

رسول اللہ ﷺ جہاد میں تشریف لے جاتے تو زرہ بھی پہن کر جاتے غزوۂ احد میں آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ لوہے کی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ آپ نے صرف دعا پر اکتفاء نہیں کیا۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ دعا بھی کرو اور کوشش بھی کرو مگر اس کا یقین رکھو کہ کوشش اور محنت میں کوئی اثر نہیں، اثر اللہ کے ارادے اور اس کے حکم میں ہے۔ وہ چاہے گا تو اثر پیدا کر دے گا، نہیں چاہے گا تو

پیدا نہیں کرے گا۔ البتہ اللہ رب العزت کا عام قانون یہ ہے کہ جب آدمی کسی کام کے لیے کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں اثر بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

کیا مانگیں؟

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے لیکن کچھ یاد نہیں آتا کہ کیا دعا مانگیں۔ تقریباً سب کو یہ کیفیت کبھی کبھی پیش آتی ہے۔ اس کا بھی ایک بڑا اچھا نسخہ ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہی کہہ دیں کہ اللہ میاں! کچھ یاد نہیں آرہا کہ آپ سے کیا مانگوں، آپ مجھے وہ چیزیں دے دیجئے جو میرے لیے دنیا و آخرت میں مفید ہوں۔

جیسے چھوٹا بچہ کہ اسے چیزوں کے نام معلوم نہیں ہوتے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ بسکٹ کس کو کہتے ہیں، چپس کس کو کہتے ہیں، چاکلیٹ کس کو کہتے ہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ مجھے چیز دے دو۔ مطلب یہ کہ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے کون سی چیزیں پسند ہیں، بس ان میں سے کوئی دے دو۔ اب ماں باپ، دادا دادی سب اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ اسے کوئی ایسی چیز دے دیں کہ جس سے یہ خوش ہو جائے تو ہمارا رب ہم پر ہمارے ماں باپ، دادا دادی اور نانا نانی سے زیادہ مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔ ان سے صرف یہ کہہ دیں کہ اللہ میاں! ہمارے کام کی چیز دے دیجئے۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کی چیز تمہیں دے دیں گے۔

سب پریشانیوں کا حل .... اللہ تعالیٰ کے آگے رونا:

بچے کے اندر ایک بات اور ہے کہ وہ بچہ جو بہت چھوٹا ہوتا ہے کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ جب اسے اپنا مطالبہ ماں باپ، دادا دادی اور گھر والوں سے منوانے ہوتے ہیں تو اس کے پاس ایک خاص نسخہ ہوتا ہے۔ وہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ ادھر وہ رویا، ادھر سب گھر والے بے چین ہو گئے کہ کیوں رو رہا ہے، اس کے

پیٹ میں درد ہے۔اسے پیاس لگی ہوئی ہے، اسے بھوک ہے یا کوئی اور تکلیف ہے۔ اب یہ سب معلومات کرنے کی ذمہ داری ماں باپ کی ہے، اس نے صرف ایک کام کیا کہ بس رو دیا۔ ماں باپ کھوج لگاتے ہیں۔ خود سمجھ میں نہیں آتا تو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جب تک اس کا رونا ختم نہ ہو اور اس کی تکلیف دور نہ ہو، اس وقت ماں باپ کو چین نہیں آتا۔

اللہ رب العالمین نے اپنے سے مانگنے کے لیے یہی نسخہ ہمیں بھی سکھلایا ہے۔ جب کوئی پریشانی ہو دین کی یا دنیا کی، اپنوں سے یا دشمنوں سے اور اس کا کوئی حل سمجھ میں نہ آئے تو اللہ میاں کے سامنے رونا شروع کر دو۔ جب رونا شروع کر دو گے تو اللہ تعالیٰ جو ماں، باپ سے زیادہ مہربان ہے، وہ سنے گا اور تمہاری پریشانی کا حل نکالے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو رو رو کر مانگو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی شکل بنا لو۔ قیامت کے روز جن سات قسم کے لوگوں کو عرش رحمٰن کا سایہ نصیب ہوگا ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ کے خوف سے یا اس کی محبت میں تنہائی میں رویا ہو، مجھے امید ہے کہ اس میں انشاء اللہ، وہ شخص بھی شامل ہے جو تنہائی میں اپنی کسی حاجت کی وجہ سے رویا ہو۔ کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ وہ تنہائی میں اللہ کے سامنے روئے۔

اللہ کے سامنے رونا پکے ایمان اور بھروسے کی بات ہے:

اللہ کے سامنے رونا پکے ایمان کی بات ہے کہ یہ بندہ اس اللہ کے سامنے رو رہا ہے جس کو کبھی اس نے دیکھا بھی نہیں، صرف غیب کا ایمان رکھتا ہے۔ اور اسے پکا یقین ہے کہ میرا رب میری بات سن رہا ہے اگرچہ میں اس کو نہیں دیکھ رہا۔ یہ پکے ایمان کی بات بھی ہے اور بھروسے کی بات بھی کہ اس کو یہ یقین ہے کہ جس اللہ سے میں بات کر رہا ہوں وہ سن بھی رہا ہے۔ تیسرے، اپنی عاجزی کا اظہار بھی ہے کہ یا

اللہ! میرے بس میں کچھ نہیں، تیرے سامنے اپنی فریاد لایا ہوں۔ تو جب بندہ تنہائی میں رو رو کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتر چیز عطا فرماتے ہیں:

البتہ اس سلسلے میں ایک بات عرض کرتا ہوں۔ بہت سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کرتا ہے کہ ہم اتنی دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ چھوٹی چیز مانگتا ہے، گھٹیا چیز مانگتا ہے، مضر چیز مانگتا ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مضر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز نہیں دیتے بلکہ اس سے بہتر چیز عطا فرماتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے بچے کو انگارہ خوبصورت نظر آتا ہے تو وہ انگارہ مانگتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس سے ہاتھ جل جائے گا۔ بچہ چیونگم مانگتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس سے ہاتھ خراب ہو جائیں گے، صحت خراب ہو گی لیکن ماں ان چیزوں کے نقصانات جانتی ہے۔ لہٰذا وہ اسے انگارہ یا چیونگم دینے کے بجائے اس سے بہتر کوئی چیز دیتی ہے۔ اسی طرح بندہ بعض مرتبہ ایسی ایسی چیزیں مانگتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں یا اس کے لیے مفید نہیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں بہتر اور مفید چیز عطا فرماتا ہے۔

دعا قبول نہ ہونے کے اسباب:

اس کے علاوہ بعض مرتبہ دعا واقعۃً قبول نہیں ہوتی۔ اس کے چند اسباب ہیں۔ میں انہیں ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سبب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ دعا پڑھنے کی چیز ہے، خوب یاد رکھئے! دعا پڑھنے کی چیز نہیں، مانگنے کی چیز ہے۔ پڑھنے اور مانگنے میں بڑا فرق ہے۔ پڑھتے تو آپ سب کچھ ہیں، نماز میں کیا کیا کچھ پڑھتے ہیں،

قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن آپ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ آپ نے کیا پڑھا۔ دعائیں بھی اگر آپ نے اسی طرح پڑھ لیں کہ آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ آپ نے کیا پڑھا تو یہ دعا مانگی نہیں، پڑھی ہے۔

بعض لوگ دعاؤں کو رٹا لگا کر یاد کر لیتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں۔ بس رٹی ہوئی دعائیں زبان پر جاری ہوتی رہتی ہیں۔ یہ دعا نہیں ہوتی البتہ اللہ کا ذکر ہو گیا۔ اگر یہ ذکر دھیان سے ہوتا تو پورا ثواب ملتا، بے دھیانی سے ہوا تو ثواب پھر بھی ملے گا کیونکہ زبان سے عبادت ہو گئی لیکن دعا نہیں ہوئی۔

اسی لیے ہمارے بزرگوں نے لکھا کہ جو دعائیں عربی زبان میں ہیں، اگر کسی کو ان کا ترجمہ نہیں آتا یا معلوم ہے لیکن ان کی طرف دھیان نہیں لگتا تو پھر اسے اپنی زبان میں دعا مانگنی چاہیے۔ اس لیے کہ اپنی زبان میں مانگو گے تو دھیان سے مانگو گے، تمہیں معلوم ہو گا کہ کیا مانگ رہے ہو۔

دوسرا سبب:

ایک بات تو یہ ہوئی ہے کہ دعا مانگنا ضروری ہے، دعا پڑھنا کافی نہیں۔ دوسری بات جو آداب دعا میں شامل ہے، یہ ہے کہ اس یقین کے ساتھ مانگے کہ اللہ تعالیٰ سن رہا ہے اور اس نے دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا لہٰذا یہ دعا میرے لیے نافع ہو گی، قبول ہو گی۔ الفاظ بھی حتمی ہوں۔ یوں نہ کہیں کہ اللہ میاں! اگر آپ چاہیں تو مجھے یہ چیز دے دیں اور اگر چاہیں تو اس کے بجائے فلاں چیز دے دیں۔ آپ کون ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار دینے والے۔ وہ تو خود مختار ہیں، وہ چاہیں گے تو دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں دیں گے آپ کے یہ بات کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ اگر چاہیں تو دے دیں نہ چاہیں تو نہ دیں۔ لہٰذا یوں کہیں کہ اے اللہ! ہمیں فلاں چیز دے دیجئے۔ جس طرح بچے ماں باپ سے مانگتے ہیں مصر ہو کر، دے دیجئے، دے دیجئے، دے دیجئے کی رٹ لگاتے ہیں، اسی طرح آپ بھی اللہ میاں سے مچل کر اور

رو رو کر مانگئے، گڑگڑا کر مانگئے اور مانگتے رہیے۔

تیسرا سبب:

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دعا میں جلد بازی کرتا ہے، اس کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ جلد بازی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ میں اتنے دنوں سے مانگ رہا ہوں، میری دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرتا ہے۔ یہ جلد بازی کی بات ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ فوراً دعا قبول فرما لیتے ہیں، بعض اوقات اسے مؤخر کر دیتے ہیں۔ اللہ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے، اندھیر نہیں ہوتا۔ اور جو شخص بے صبری کرتا ہے، اس کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر دعا قبول نہیں ہوئی تو اور روئیے، اور گڑگڑائیے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگئے اور توجہ کیجئے، شکایت نہ کیجئے، اگر شکایت کرو گے تو کس سے کرو گے۔ کوئی ایسا ہے جو اللہ میاں کے خلاف تمہاری شکایت سن کر اسے دور کر دے گا۔ ہرگز نہیں، تو بس پھر اللہ تعالیٰ ہی سے کہو کہ اے اللہ! میں آپ ہی سے مانگوں گا، آپ کے علاوہ میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ جب تک آپ نہیں دیں گے، میں مانگتا رہوں گا۔ جب آدمی کسی کے دروزے پر دستک دیتا رہتا ہے تو مالک مکان دروزاہ کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ تو عام بندوں کا معاملہ ہے۔ وہ تو داتا اور کریم ہے۔ جب اس کے دروازے پر دستک دیتے رہو گے، ناک رگڑتے رہو گے، روتے رہو گے، گڑگڑاتے رہو گے۔ وہ تو بہت جلدی راضی ہو جائے گا اور دعا قبول کرلے گا۔

چوتھا سبب:

دعا قبول نہ ہونے کا چوتھا سبب ''مالِ حرام'' ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بہت عاجزی کی حالت میں اللہ سے مانگتے ہیں، بال بکھرے ہوئے، کپڑے بھی ٹھیک نہیں اور ''یارب یارب'' کہہ کر مانگتے ہیں لیکن ان کا کھانا حرام، پینا حرام، پہننا حرام۔

﴿ فَانّٰی یُسۡتَجَابُ لَه ﴾

''ان کی دعا کیسے قبول ہوگی۔''

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کتنا ہی انکساری اور عاجزی کے ساتھ مانگو، گڑگڑا کر مانگو لیکن اگر تمہارا کھانا پینا حرام مال کا ہے تو پھر دعا قبول نہیں ہوتی۔

حرام مال کے نقصانات:

آپ غور کیجئے کہ آج ہمارے معاشرے میں بیماریاں ہیں، پریشانیاں ہیں، عداوتیں ہیں، خوف ہے، دہشت ہے، مہنگائی ہے، بے چینی اور ان سے بچنے کی دعائیں بھی خوب ہو رہی ہیں لیکن یہ سب کچھ بڑھ رہا ہے، بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں ہمارے گھروں میں، ہماری بستیوں میں، ہمارے شہروں میں اور ہماری جانوں کے اندر۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حلال اور حرام مال میں امتیاز چھوڑ دیا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو آنیوالے پیسوں کو بڑی احتیاط سے دیکھتے ہیں کہ یہ حلال طریقے سے آ رہا ہے یا حرام طریقے سے آ رہا ہے۔ ورنہ عام رواج یہ ہوگیا ہے کہ بس مال آجائے چاہے کسی طریقے سے بھی ہو۔

خوب یاد رکھئے کہ اگر حرام طریقے سے مال آئے گا تو پھر وہ اپنے کرشمے دکھائے گا۔ وہ بیماریاں بھی لائے گا، بے چینیاں اور پریشانیاں بھی لائے گا۔ صدمے بھی لائے گا، حادثات بھی لائے گا۔ یہاں تک کہ زندگی کو اجیرن کر دے گا۔ روپے کی ریل پیل تو ہو جائے گی لیکن جس مقصد کے لیے روپیہ آتا ہے، وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ خوشیاں، صحت، راحت اور لذت تو حلال مال سے ہی ملتی ہے، حرام مال سے نہیں ملتی۔

رشوت کا روپیہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہے:

آج ہمارے معاشرے میں رشوت کا دور دورہ ہے اور اس کے نت نئے طریقے رائج ہیں۔ حالانکہ رشوت لینا بھی حرام اور اس کا دینا بھی حرام۔ رسول اللہ

ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿الراشی والمرتشی کلاھما فی النار والذی یمشی بینھما﴾ (مسلم)

''رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے اور جو ان دونوں کے درمیان دلالی کرتا ہے، وہ بھی جہنم میں جائے گا۔''

سرکاری دفاتر میں جا کر دیکھئے، تینوں قسم کے لوگ آپ کو ملیں گے۔ رشوت دینے والے بھی ملیں گے، لینے والے بھی ملیں گے اور درمیان میں دلالی کرنے والے چپڑاسی اور کلرک بھی ملیں گے۔

آج عام طور پر لوگوں کو مختلف طرح کی شکایت ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھے نظر لگ گئی، کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر جادو ہو گیا، کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر آسیب کا اثر ہے، کوئی کہتا ہے کہ ہم پر بندش لگا دی گئی، جوان لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے، کاروبار کرتا ہوں تو وہ چلتا نہیں، ملازمت کے لیے کوشش کرتا ہوں، کامیابی ہونے لگتی ہے لیکن عین موقع پر کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے۔ کسی نے بندش لگا رکھی ہے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ یہ بندش لگانے والا کون ہے؟ بندش کس کے لگانے سے لگتی ہے؟ کوئی شیطان لگا سکتا ہے؟ کوئی جادوگر لگا سکتا ہے؟ اللہ رب العالمین کے حکم اور ارادے کے بغیر کسی پر بندش نہیں لگ سکتی۔ کسی اور نے ہم پر بندش نہیں لگائی۔ ہم نے خود اپنے اوپر بندش لگا رکھی ہے۔

ہم نے توبہ اور دعا کی قبولیت کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ حرام مال ہمارے گھروں میں آ رہا ہے، خود بھی کھا رہے ہیں اور بیوی بچوں کو بھی کھلا رہے ہیں۔ یاد رکھیئے! رشوت کا روپیہ سور کے گوشت کی طرح حرام ہے۔

بینک کی ملازمت کیوں حرام ہے؟

اسی طرح سود بھی عام کھا رہے ہیں۔ بینکوں کے سودی اکاؤنٹ میں روپیہ

رکھا ہے یا بینکوں کے اندر ایسی ملازمت کرتے ہیں جس میں سودی لین دین کے معاملے لکھنے پڑتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ﴾ (مسلم)

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، لکھنے والے پر اور اس معاملے کے گواہ بننے والے پر۔''

جب سود کا لکھنا حرام تو ایسی ملازمت سے ملنے والی تنخواہ بھی حرام۔ بہت سے لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! یہ کیا بات ہے۔ بینک کی ملازمت اور تنخواہ کیوں حرام ہوئی حالانکہ ہم کسی کی چوری نہیں کر رہے، ڈاکہ نہیں ڈال رہے، کسی سے رشوت نہیں لے رہے، مہینہ بھر محنت کرتے ہیں اور مہینے کے بعد محنت کی تنخواہ لیتے ہیں، یہ تو حلال ہونی چاہیے!

لیکن غور کیجئے یہ اس لیے حرام ہے کہ آپ جو کام کر رہے ہیں، جو محنت کر رہے ہیں، وہ محنت حرام ہے تو آپ نے حرام محنت کا معاوضہ لیا ہے۔ ورنہ اگر آپ کی دلیل کو لیا جائے تو پھر تو جو رنڈیاں اور پیشہ ور عورتیں پیشہ کراتی ہیں، جن کا کاروبار ہی حرام کاری کا ہے، محنت تو وہ بھی کرتی ہیں اور اسی محنت کا معاوضہ لیتی ہیں، تو پھر ان کا معاوضہ بھی حلال ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی یہ کہہ سکتی ہیں کہ محنت تو ہم بھی کرتی ہیں، پھر ہماری آمدنی حرام کیوں ہے۔

بات یہ ہے کہ ہر محنت کی آمدنی حلال نہیں ہوتی۔ اسی محنت کی آمدنی حلال ہوگی جو حلال ہو، جو محنت حرام ہوگی اس کی اجرت حرام ہوگی۔

رشوت اور سود کے علاوہ حرام کی اور بھی بہت سی صورتیں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ ناپ تول میں کمی اور ملاوٹ عام ہے۔ ایک کلو دودھ کے پیسے لیے لیکن آدھا کلو دودھ اور آدھا کلو پانی دیا۔ گویا دودھ تو آدھا کلو دیا لیکن پیسے پورے ایک کلو کے لیے، یہ بھی حرام ہے۔

اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں:

جب حرام عام ہو جاتا ہے تو بیماریاں اور مصیبتیں بھی عام ہو جاتی ہیں۔ ہم اصل سبب پر غور کرنے کے بجائے عاملوں کے پاس جاتے ہیں کہ کسی نے ہم پر سفلی عمل کر دیا ہے، اس کا توڑ کریں۔ حالانکہ سفلی عمل تو ہم نے خود اپنے اوپر کر رکھا ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ اللہ کی نافرمانی سے بڑا کوئی سفلی عمل نہیں کیونکہ اللہ کی نافرمانی ہی سے تو اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہوتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری سے اس کے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔

ٹھیک ہے، جادوگر بھی ہوتے ہیں، جنات کے اثرات بھی ہوتے ہیں، نظرِ بد بھی لگتی ہے لیکن یہ تینوں چیزیں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اگر جادوگر نے آپ پر کوئی عمل کیا تو اس نے از خود نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے اس جادوگر کو آپ پر مسلط کر دیا۔ اور اگر کسی جن نے نقصان پہنچایا تو اسے بھی اللہ نے مسلط کیا تا کہ وہ آپ کو سزا دے اور آپ کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔ لیکن ہم توبہ کرنے اور حرام مال چھوڑنے کی بجائے عاملوں کی طرف بھاگتے ہیں۔

حرام مال آنے سے مزے ختم ہو جاتے ہیں:

آدمی حرام اس لیے کماتا ہے کہ مال زیادہ ہوگا تو میں مزے کروں گا حالانکہ حرام کے آنے سے مزے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ روپیہ تو بڑھ جاتا ہے لیکن مزے غائب ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بنا لے اور ہماری دعاؤں کو قبول فرما لے، ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ہم نے جو اپنی دعاؤں کی قبولیت کے دروازے بند کر رکھے ہیں، ہمیں یہ دروازے کھولنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین
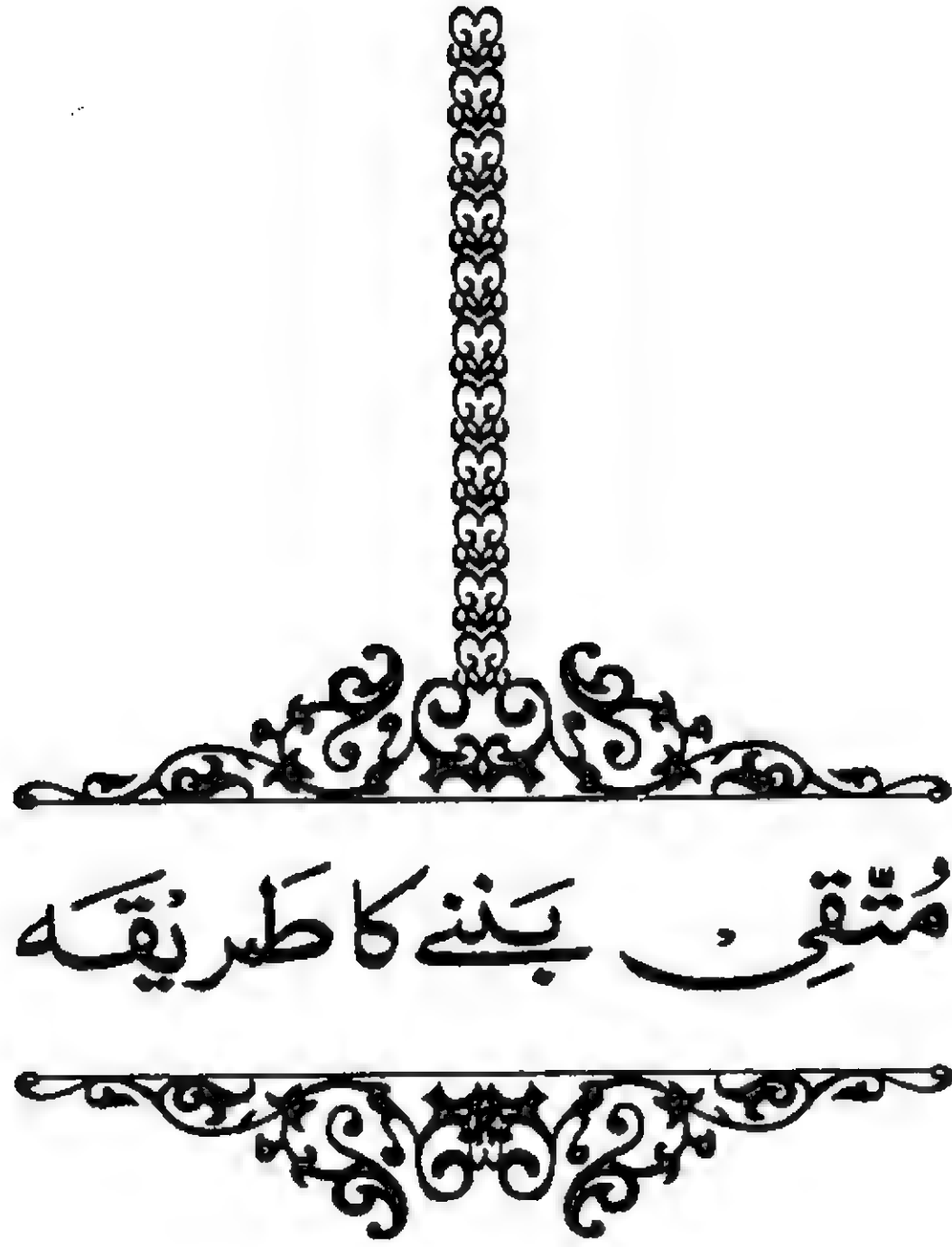
مُتّقی بننے کا طریقہ

موضوع: متقی بننے کا طریقہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: کینیڈا

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿متقی بننے کا طریقہ﴾

خطبۂ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ○

تلاوت کردہ آیت کا خلاصہ:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے گناہوں سے بچو، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کر لو اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو زبان کے بھی سچے ہیں، دل کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی سچے ہیں۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب:

قرآنِ مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے تو پھر ایک اور حکم دیتا ہے جس پر عمل کرنے سے پہلا حکم آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرا حکم طریقہ ہوتا ہے پہلے حکم پر عمل کرنے کا۔

یہاں بھی یہی بات ہے۔ فسق و فجور کے ماحول، نفس کے دھوکے، شیطان کے فریب اور گناہوں کے سیلاب میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کے حکم پر کیسے عمل ہو؟ شاید یہ وہی دور ہے جس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دور ایسا بھی آنے والا ہے کہ دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ ہاتھ میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے ''شاید'' کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ یقین نہیں کہ وہی دور آ گیا ہے یا ابھی اور زیادہ مشکل دور آنے والا ہے۔ بظاہر ابھی نہیں آیا، بعد میں آئے گا لیکن اس کے آثار یہی ہیں جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس زمانے میں دین پر قائم رہنا بڑے حوصلے اور دل گردے کا کام ہے۔

اس دور میں دین پر عمل کرنے کی ایک عظیم فضیلت:

پہلے میں ایک بات یہ عرض کر دوں کہ جو شخص اس بگڑے ہوئے ماحول میں رہتے ہوئے بھی دین پر قائم رہے، حلال اور حرام کی فکر رکھے، گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کرے، آئندہ بچنے کی کوشش کرے تو اس کے لیے حدیث میں ایک بشارت آئی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''قرب قیامت میں ایسا دور ہوگا جس میں دین پر عمل کرنا دشوار ہوگا، اس وقت ایک آدمی کو اپنے عمل کا ثواب پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ملے گا۔''

(ترمذی بحوالہ علاماتِ قیامت از مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ص۱۴)

اللہ کے لیے کیے ہوئے کام میں جب کبھی مشقت اور دشواری زیادہ اٹھانا پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی قیمت بھی بڑھا دیتے ہیں۔ نہ پڑھیں نفلی نمازیں اور نہ نفلی روزے رکھیں اور نہ دوسری نفلی عبادات کریں لیکن اگر فرائض وواجبات ادا ہو جائیں، حرام اور ناجائز چیزوں سے بچ جائیں تو یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی بھی توفیق عطا فرما دے تو سیدھی جنت ہے انشاء اللہ۔

تقویٰ پر عمل کرنا کبھی ناممکن نہیں رہا:

لیکن بلاشبہ اس زمانے میں تقویٰ پر قائم رہنا مشکل کام ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ تقویٰ پر قائم رہنا کبھی بھی ناممکن نہیں ہوگا، ہمیشہ ممکن رہے گا۔ آج بھی ممکن ہے، الحمدللہ، آج بھی اللہ کے بندے موجود ہیں بلکہ اس مغربی دنیا میں، امریکہ اور کینیڈا میں بھی موجود ہیں جو دین پر پکے قائم ہیں جو حرام اور ناجائز چیزوں سے بچتے ہیں بلکہ شبہ والی چیزوں سے بھی بچتے ہیں۔ ہم سے مسئلے مسائل پوچھتے رہتے ہیں۔

اللہ والے کم ضرور ہوں گے لیکن ناپید نہیں ہوئے اور قیامت تک ناپید نہیں ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ سچے لوگوں کے ساتھ رہو یعنی ایسے لوگ دل کے، عمل کے، زبان کے بلکہ ہر اعتبار سے سچے ہوں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ متقی ہوں، گناہوں سے بچنے والے ہوں، تو معلوم ہوا کہ ایسے لوگ قیامت تک رہیں گے کیونکہ تقویٰ کا حکم قیامت تک کے انسانوں کو دیا گیا ہے۔

متقی ہونے کا مطلب:

متقی ہونے کا مطلب سمجھ لیجئے۔ لوگ ڈر جاتے ہیں کہ ہم کہاں متقی ہو سکتے ہیں، ہم تو گنہگار لوگ ہیں، متقی ہونا کوئی مشکل نہیں۔ متقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی گناہ نہ کرو، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہ سے بچو، لیکن خدانخواستہ نفس اور شیطان کے بہکانے، پھسلانے سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کر لو اور عزم کر لو آئندہ نہیں کریں گے۔ تقویٰ پھر لوٹ آئے گا۔

اب سمجھئے، ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں، آپ کو اپنے سے زیادہ جو تقویٰ والا ملے، اس کے ساتھ لگ جاؤ، اس سے دوستی قائم کرو، بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتے کرتے وقت اس بات کو دیکھو کہ کچھ دین دار ہیں یا نہیں۔ کاروبار، ملازمت، تجارت اور تفریحوں میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو نسبتاً تم سے دین میں بہتر ہیں۔ اگر آپ ایسا کر لیں تو انشاء اللہ، رفتہ رفتہ آپ کے دلوں میں بھی تقویٰ پیدا ہوتا چلا جائے گا، گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگی، نیک کاموں کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔

قرآن مجید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو کیوں بھیجا گیا؟

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا تاکہ آپ صحابہ کو قرآن مجید بھی سکھلائیں اور صحابہ کرام آپ کی صحبت میں رہ کر

اپنے ظاہر و باطن کا تزکیہ کریں۔ چنانچہ آپ کے مقاصد نبوت میں یہ بات بیان کی گئی کہ:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾

''قرآن پڑھ کر سنائیں اور ان کا تزکیہ کریں۔''

تزکیہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ صحابہ کے اخلاق و اعمال اور معاملات و معاشرت کی اصلاح کریں۔

بڑے بھائی کا سبق آموز واقعہ:

میرے بڑے بھائی محمد ذکی کیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں رہتے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مرید تھے، بڑے شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری مومنانہ تھی، مثبت و تعمیری شاعری۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لکھا کہ تم لاہور میں ہو، وہاں بزرگوں کی صحبت میں جا کر بیٹھا کرو۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت! اب تو کوئی نظروں میں جچتا نہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو دیکھا، بڑے بڑے بزرگوں کی صحبت میں رہا، اب تو نظروں میں کوئی بزرگ جچتا نہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ کا خط لکھا اور فرمایا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لاہور میں تم سے اچھا کوئی اور ہے ہی نہیں، اپنی فکر کرو، یہ بیماری ہے، اس کا علاج کرو۔ پھر فرمایا کہ تمہارے محلے کی مسجد کا جو مؤذن ہے، اس کے پاس جا کر بیٹھا کرو، اس کے پاس بیٹھنے سے بھی تمہیں فائدہ ہوگا۔ وہ تم سے اچھا ہے کیونکہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔

آج ہم مؤذن کی کوئی قدر و قیمت نہیں پہچانتے لیکن ذرا یہ تو دیکھیں کہ اس میں اور کوئی خوبی ہو یا نہ ہو، یہ کتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی۔ یہ کوئی معمولی بات ہے! ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ نماز ہے، اور وہ نماز کو ہم سے بہتر وقت میں پڑھتا ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کے اثرات بقدر تعلق منتقل ہوتے ہیں:

جب آدمی اللہ والوں کی صحبت میں رہتا ہے تو بہت سی چیزوں کے تو خود بخود اثرات منتقل ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کے جتنا قریب رہے گا، اتنا اس کے اثرات آئیں گے۔ میرے مرشد حضرت عبدالحیٰ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر طرف بالکل تاریکی کے عالم میں تم دور سے ایک چھوٹا سا چراغ دیکھتے ہو تو اس کا فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ تمہارے اندر امید کی رمق پیدا ہو جاتی ہے کہ ادھر روشنی ہے۔ اب اس کے قریب ہوتے جائیں تو کچھ دیر بعد اس سے ہلکی ہلکی دھندلی روشنی بھی آنے لگے گی، اب یہ فائدہ ہوا کہ راستہ نظر آنے میں سہولت ہو گئی۔ اور قریب چلیں تو راستہ صاف نظر آنے لگا۔ اور قریب پہنچے یہاں تک کہ اس کے بالکل قریب بیٹھ جائیں تو اس کی گرمی بھی محسوس ہونے لگے گی اور اگر وہاں پہنچ کر اس کی لو سے لو لگا لو تو خود چراغ بن جاؤ گے۔"

اللہ والوں کے ساتھ جتنا ربط اور تعلق بڑھتا ہے اتنا ہی آدمی کا تقویٰ، روحانیت اور نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ آدمی خود جل اٹھتا ہے اور چراغ بن جاتا ہے۔ پندرہ سو سال سے دین کی روشنی اسی طریقے سے پھیل رہی ہے کہ ایک چراغ سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا روشن ہوتا رہا۔

مجاہدے کرانے کی حکمت:

ہمارے مرشد حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانوں میں بزرگانِ دین اپنے اپنے مریدوں کو ان کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے مشکل مجاہدے بتاتے تھے۔ ان کا یہ عمل بھی حکمت پر مبنی تھا کہ اگر مرید کے دل میں تکبر ہے تو وہ دور ہو جائے، مال و دولت کی حرص ہے تو وہ نکل جائے، بے حیائی ہے تو وہ دور ہو جائے، جھوٹ بولنے یا غیبت کرنے کی عادت ہے تو وہ ختم ہو جائے۔

زیادہ بولنے کی بیماری کا ایک خاص مجاہدہ:

ایک مرید کو جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کی عادت تھی۔ ان کو ہدایت تھی کہ تم ہمیشہ خاموش رہا کرو، تمہیں بولنے کی اجازت نہیں، صرف بقدرِ ضرورت کھانے پینے کے وقت میں بولنا پڑ جائے تو بولو، ورنہ بالکل بولنے کی اجازت نہیں۔ مگر وہ کوشش کے باوجود اس پر پورا عمل نہ کر سکے۔ بعض دفعہ بلاضرورت بولنے لگتے، تو شیخ نے اس کا علاج یہ کیا کہ اس سے کہا کہ لوہے کے دو گولے منہ میں رکھا کرو۔ ان گولوں کے رکھنے کا اثر یہ ہوا کہ جب تک وہ منہ میں ہیں، بولا ہی نہیں جاتا۔ بہت ہی ضرورت اور مجبوری کے وقت بولنا پڑتا تو گولے نکالتے، بات کرتے، پھر گولوں کو دھو کر اور صاف کر کے منہ میں رکھتے۔ ایک بڑی مصیبت وبال جان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلاضرورت بولنا چھوڑ دیا تو شیخ نے وہ گولے نکلوا دیئے۔

ایک شیخی باز نواب کا قصہ:

بعض لوگوں کو شیخیاں بگھارنے کی عادت ہو جاتی ہے، اور نواب لوگوں کو اس کی عادت اور زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نوکر چاکر ہوتے ہیں، وہ ان کی تائید کرتے ہیں کہ سبحان اللہ! کیا بات کی ہے نواب صاحب نے! تو ایک نواب صاحب تھے، انہیں گپیں ہانکنے اور شیخیاں بگھارنے کی بہت عادت تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی شیخی بگھارا کرتے۔ بعض اوقات کوئی شیخی ایسی بگھارتے کہ سننے والے پہلے ہی لمحے میں محسوس کر لیتے کہ یہ تو جھوٹ ہے۔ لیکن اس کام کے لیے انہوں نے ایک قانون دان اپنے ہاں ملازم رکھا ہوا تھا۔ اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ اگر کبھی نواب صاحب کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جائے، جس پر لوگوں کو یقین نہ آئے، انہیں اپیل (Appeal) نہ کرتی ہو تو تم اس کی کوئی ایسی تاویل کر دینا، جس سے لوگوں کو یقین آ جائے اور لوگ نواب صاحب کو جھوٹا نہ سمجھیں۔

اب نواب صاحب آئے دن کوئی نہ کوئی شیخی بگھارتے اور وکیل صاحب فوراً اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کر دیتے جس سے لوگ مطمئن ہو جاتے۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے بڑے جوش میں آ کر کہا کہ ہم ایک دفعہ شکار کے لیے گئے۔ سامنے ہرن نظر آیا۔ ہم نے جو فائر کیا تو گولی اس کے کھر سے لگ کر منہ سے نکل گئی۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیسا جھوٹ بولا ہے نواب صاحب نے سب کھنکھارنے بھی لگے۔ نواب صاحب نے کمزوری محسوس کی تو قانون دان کی طرف دیکھا۔ قانون دان صاحب بولے: جی، اصل میں قصہ یوں ہوا کہ جب نواب صاحب نے فائر کیا، اس وقت وہ ہرن اپنے کھر سے منہ کو کھجا رہا تھا، اس لیے گولی کھر سے لگ کر منہ سے نکل گئی۔ نواب صاحب کی جان میں جان آئی۔ لیکن رات کو وکیل صاحب استعفیٰ لے کر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نواب صاحب! آپ تو اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ آگے میرا علم وفن بھی جواب دے رہا ہے، اس لیے میرا استعفیٰ قبول کیجئے۔

ایک اور نواب کا قصہ:

ایک نواب صاحب کی عادت تھی کہ بات بات پر لوگوں کو گدھا کہا کرتے تھے۔ ''گدھے تم نے یہ کیوں نہیں کیا، گدھے کہیں کے بھاگ جاؤ یہاں سے'' وغیرہ وغیرہ۔ جب آدمی کو کوئی ایسی عادت پڑ جاتی ہے تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی بے تکلف دوست نے توجہ دلائی اور کہا کہ نواب صاحب! آپ کی ساری باتیں بہت اچھی ہیں مگر آپ ہر ایک کو بات بات پر گدھا کہہ دیتے ہیں، یہ مناسب نہیں نواب صاحب نے غصے میں آ کر کہا:

''کون گدھا کہتا ہے کہ میں بات بات پر گدھا کہتا ہوں''

جب زبان بے لگام ہو جائے اور اللہ کے خوف سے آزاد ہو جائے تو وہ جھوٹ بھی بولتی ہے، گالیاں بھی دیتی ہے، تہمتیں بھی لگاتی ہیں اور دل آزاریاں بھی

کرتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کا علاج کرنا پڑتا ہے جیسے شیخ نے اپنے مرید کے منہ میں گولے رکھوا کر اس کا علاج کیا۔

مجاہدوں کی حیثیت علاج کی ہے:

خوب سمجھ لیجئے! یہ گولے رکھنا کوئی ثواب کا کام اور عبادت نہیں تھی، علاج کے طور پر ایسا کیا گیا۔ بعض لوگ اسی کو تصوف سمجھ لیتے ہیں۔ یہ تصوف نہیں، ہاں تصوف میں جو مقصود ہے یعنی باطن کی اصلاح اور گناہوں سے بچنا، اس کے لیے ایک معاون ہے۔ یہ مجاہدے اور ریاضتیں بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتیں بلکہ اچھی صفات پیدا کرنے کے لیے علاج کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ جس کی بری عادات جتنی زیادہ پکی ہوتی ہیں، اتنی ہی کڑوی گولیاں اس کو دینی پڑتی ہیں، اتنا ہی بڑا آپریشن کرنا پڑتا ہے۔

ہر دور میں طریقۂ علاج بدلتا رہا:

لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگوں میں نہ دین کی اتنی طلب ہے نہ اتنی طاقت ہے اور نہ اتنی فرصت ہے کہ وہ اتنے لمبے لمبے مجاہدے اور ریاضتیں کریں اس لیے ہر دور کے بزرگوں نے ہر زمانے کے لوگوں کے تقویٰ و حالات کا لحاظ کر کے ایسے ایسے علاج تجویز کیے کہ اس زمانے کے لوگ آسانی سے برداشت کریں۔ پچھلے زمانے میں حکیموں کی دوائیں ہوتی تھیں۔ جوشاندہ لاؤ، پانی میں ڈالو، آگ پر پکاؤ۔ اس کو چھانو۔ ٹھنڈا کرو۔ اس میں فلاں فلاں دوائیں ملاؤ۔ پینے کے بعد لحاف میں دبک کر بیٹھ جاؤ، باہر نہ نکلو وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں سے فائدہ ہوتا تھا لیکن آج کل ان کی جگہ کیپسولوں نے اور چھوٹی چھوٹی ٹیبلٹس (Tablets) نے لے لی۔

باطنی علاج کا مختصر اور آسان نسخہ:

جس طرح یہ طریقہ علاج بدل گیا، اسی طرح اس زمانے میں ہمارے بزرگوں نے مختصر، آسان اور سریع الأثر (تیز اثر کرنے والے) نسخے تجویز کیے ہیں مثلاً حضرت عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ میں تمہیں ایک نسخہ بتاتا ہوں، اگر تم نے اس کی عادت ڈال لی، اور اہتمام کر لیا تو ان شاء اللہ، تمہارے لیے ظاہری ترقی کے راستے کھل جائیں گے اور باطنی ترقی کی راہیں بھی کھل جائیں گی۔ طریقت میں بھی بڑھتے چلے جاؤ گے اور شریعت میں بھی ترقی کرتے چلے جاؤ گے، دنیا میں بھی کامیابیاں ملیں گی اور آخرت میں بھی کامیابیوں سے نوازے جاؤ گے۔ زندگی خوشگوار اور پرسکون ہو جائے گی۔ اور ہر وقت آپ کے دل کو ایک ڈھارس رہنے لگے گی۔ پریشانی اور گھبراہٹ نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھتا چلا جائے گا۔

چار اعمال اور ان کی خاص تاثیر:

فرمایا کہ وہ چار اعمال ہیں اور قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں۔ اور اس زمانے کے مزاج کے مطابق ہیں۔ ان چار اعمال کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان میں کوئی وقت خرچ نہیں ہوتا۔ دنیا کے کاموں کے ساتھ ساتھ وہ اعمال ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا اور کوئی محنت خرچ نہیں ہوتی اور اعمال ایسے زبردست ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اعمال میں سے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے انسان کے ظاہری گناہوں میں بھی کمی آتی ہے اور باطنی گناہوں سے بچنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

الحمدللہ، میں چودہ سال اپنے اس مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں، ہر ہفتے میں کم از کم ایک مرتبہ تو حاضری ہوتی ہی تھی، پھر ان کا کرم یہ تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کے لیے ایک مجلس انہوں نے الگ رکھی۔ عام مجلس جمعہ کو ہوتی تھی لیکن

میرے لیے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے لیے پیر کے دن عصر سے مغرب تک خاص مجلس رکھی۔ مگر جب اور لوگوں کو پتہ چلا تو وہ بھی آنے لگے۔ مجھے یاد نہیں کہ چودہ سال کے عرصے میں کبھی ان سے میری ملاقات ہوئی ہو اور انہوں نے ان چار چیزوں میں سے کسی چیز کی ترغیب نہ دی ہو۔ بار بار توجہ دلاتے تھے۔ کبھی میں بھول جاتا تو اس وقت بھی توجہ دلاتے کہ میاں یہ کام تو کرلو۔

آخر کچھ تو بات تھی کہ چودہ سال تک وہ اس کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اعمال شریعت کی بھی جان ہیں اور طریقت کی بھی جان ہیں۔ الحمدللہ، مجھے ان اعمال سے اتنا زیادہ فائدہ ہوا کہ میں بیان ہی نہیں کرسکتا۔ مجھے امید ہے کہ اگر آپ ان کی پابندی کریں گے تو آپ کو بھی ضرور فائدہ ہوگا۔ یہ میرے محسن مرشد کا عظیم تحفہ ہے۔

پہلا عمل:

ان میں سے پہلی چیز ہے ''شکر''۔ شکر کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں، انہیں ناجائز کام میں استعمال نہ کرو فرمایا کہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لیے ایک آسان راستہ بتاتا ہوں کہ اس پر چلنے سے تم شکر گزار بندوں میں شامل ہو جاؤ گے اور پھر رفتہ رفتہ شکر کا وہ مقام بھی حاصل ہوگا جو مطلوب ہے۔ اور وہ یہ کہ صبح سے لے کر شام تک ہر انسان کو بے شمار چیزیں ایسی پیش آتی ہیں کہ وہ مرضی کے موافق ہوتی ہیں مثلاً آپ صبح چھ بجے اٹھنا چاہ رہے تھے، رات کو سوئے تو ٹھیک چھ بجے آنکھ کھل گئی۔ یہ اللہ کی ایک نعمت مل گئی، فوراً کہہ دو ''الحمدللہ'' یا اپنی زبان میں کہہ دو ''اللہ تیرا شکر'' یا ''اللھم لک الحمد ولک الشکر'' کہہ دو۔ ناشتہ صحیح وقت پر مل گیا، الحمدللہ، مزہ آیا، الحمدللہ۔ باہر نکلے، ٹریفک صاف مل گیا، الحمدللہ۔ صحیح وقت پر دفتر پہنچ گئے، الحمدللہ۔ موسم اچھا معلوم ہوا، الحمدللہ۔ کوئی اچھا منظر سامنے آیا، الحمدللہ، کاروبار میں گاہک زیادہ آئے، الحمدللہ۔ نفع ہوا الحمدللہ۔ گھر میں

آئے تو دروازے پر بچہ ہنستا ہوا ملا، الحمدللہ۔ بیوی کو دیکھا وہ بھی خوش نظر آئی، الحمدللہ۔ کھانے میں مزہ آیا، الحمدللہ۔ پانی میں مزہ آیا، الحمدللہ۔ گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے، الحمدللہ۔ غرضیکہ صبح سے لے کر شام تک بے شمار کام جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں اور ان سے ہمیں خوشی حاصل ہوتی ہے یا کوئی پریشانی دور ہوتی ہے، اس پر فوراً اللہ میاں سے کہہ دیا کریں کہ یا اللہ تیرا شکر یا الحمدللہ یا اللھم لک الحمد ولک الشکر۔

شکر کے فضائل:

اس عمل پر نہ کچھ وقت لگے گا اور نہ کوئی محنت لیکن اتنی بڑی عبادت انجام پائی کہ اس پر اللہ کا عذاب ہٹ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿مَایَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُم اِنْ شَکَرْتُم واٰمَنْتُم﴾ (النساء:۱۴۷)

''اگر تم خدا کے شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آؤ تو خدا تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔''

معلوم ہوا کہ شکر اللہ کے عذاب سے بچانے والی چیز ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لَئِن شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمتوں کو بڑھا دیتے ہیں۔

''الحمدللہ'' شکر کا پہلا زینہ ہے:

اور غور کیجئے قرآن مجید جیسی عظیم ترین کتاب کی سب سے پہلی سورت ''سورۃ الفاتحہ'' ہے اور یہ سورت ''الحمدللہ'' سے شروع ہو رہی ہے۔ اور اس سورت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہر نماز میں پڑھو حتیٰ کہ سنتوں اور نفلوں میں بھی اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانے کی ضرورت نہیں لیکن ''سورہ

الفاتحہ'' وہاں بھی پڑھنا ضروری ہے، کوئی رکعت سورۃ الفاتحہ سے خالی نہیں۔
''الحمدللہ'' شکر کا پہلا زینہ ہے اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو پسند کرتا ہے۔

جنت میں بھی شکر کی عبادت ہوگی:

آگے بڑھئے، جب جنت میں جائیں گے وہاں تو نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَلَكُم فِيهَا مَاتشتهي أَنفُسُكُمْ﴾ (حم السجدۃ:۳۱)

''اور وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا، تمہیں ملے گی۔''

آج مغربی دنیا لذت کے پیچھے ایسی پڑی ہوئی ہے کہ لذت نہ بجھنے والی پیاس اور لذت کی نہ مٹنے والی بھوک اس قوم کا سب سے بڑا مرض ہے، اسی کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں مول لے رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی مول لے رہی ہے۔ لیکن جنت میں ملنے والی نعمتیں اللہ رب العزت کی رضا کے ساتھ حاصل ہوں گی۔ وہاں عیش ہی عیش ہے۔ عرق گلاب کی طرح مہکتا ہوا پسینہ ہوگا۔ کھانے کے بعد ایک ڈکار آئے گی جس میں مشک کی سی خوشبو ہوگی اور سارا کھانا اسی میں ہضم ہو جائے گا۔

وہاں کوئی عبادت نہیں ہوگی۔ نہ نماز، نہ وضو، نہ پاکی و ناپاکی کا مسئلہ، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ، نہ حج، نہ تبلیغ اور نہ جہاد، صرف مزے ہی مزے، کھاؤ، پیو، عیش اڑاؤ۔

حدیث قدسی میں ہے:

﴿أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَالاَ عَيْنٌ رَأَتْ وَلاَ أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ﴾

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ کسی آنکھ نے وہ نعمتیں دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال تک گزرا۔''

ان ساری نعمتوں میں ہماری گزر ہوگی، کوئی عبادت نہیں ہوگی لیکن ایک عبادت وہاں بھی ہوگی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہر جنتی کے منہ سے ایسی جاری رہے گی جیسے دنیا میں ہم سانس لیتے ہیں۔ فطری اور خود بخود بغیر کسی ارادے کے یہ حمد جاری رہے گی۔

شکر کا ایک اہم اثر.........تکبر سے حفاظت:

اس کا ایک اور خاصہ یہ ہے کہ جب بندہ ہر نعمت کے ملنے پر شکر کرنے کا عادی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ اس نعمت کو اپنا حق نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے، اپنا کمال نہیں سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی نوال سمجھتا ہے اور جب آدمی اپنے کسی بھی کمال کو اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے تو ایسے شخص کے دل میں کبھی تکبر آئے گا؟ (نہیں) تو یہ شکر تکبر سے بچانے والی چیز ہے۔ تکبر اتنا خطرناک گناہِ کبیرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿لَایَدخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ﴾

(مسلم، کتاب الایمان)

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا''

تکبر شراب پینے سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، زنا کاری سے بھی زیادہ خطرناک گناہ ہے۔ شکر اس خطرناک مرض سے انسان کو بچاتا ہے۔

شکر گناہوں سے بچاتا ہے:

شکر کا ایک اور خاص فائدہ یہ ہے کہ جو شخص شکر کرنے کا عادی ہو، وہ رفتہ رفتہ خود بخود گناہوں سے بچنے لگتا ہے، تقویٰ پیدا ہونے لگتا ہے کیونکہ ہر وقت تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد رہتی ہیں، اس کا محسن ہونا ذہن میں رچ بس جاتا ہے۔ اب

جب کبھی وہ گناہ کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کرے گا تو اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑے گا کہ اتنے بڑے محسن کی نافرمانی کر رہے ہو، جس نے تجھے صبح سے لے کر شام تک اتنی نعمتوں سے نوازا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہ کرنے سے شرمائے گا۔

شکر کی وجہ سے پریشانیوں سے حفاظت:

شکر کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کو شکر کی عادت ہو، اگر اس کو کبھی کوئی ناگواری اور تکلیف پیش آجائے تو وہ زیادہ پریشان نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ صبح سے لے کر شام تک اتنی نعمتیں مجھے مل رہی ہیں، جن پر میں الحمدللہ، الحمدللہ کہہ رہا ہوں تو اگر ایک بات مرضی کے خلاف پیش آگئی تو اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

تعلق مع اللہ میں اضافہ:

شکر کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک چلتا پھرتا مراقبہ اور چلتا پھرتا مشاہدہ ہے، جس سے انسان کا اللہ رب العزت سے تعلق بڑھتا رہتا ہے۔ جب نعمت کے ملنے پر اللہ کی حمد بیان کرتا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کے تعلق میں اضافہ لازمی بات ہے۔ اور تعلق مع اللہ تقویٰ کی روح اور جان ہے، ظاہری گناہوں سے بھی بچاتا ہے، باطنی گناہوں سے بھی حفاظت کرتا ہے۔

صبر پیدا کرنے کا آسان طریقہ:

ان چار اعمال میں دوسرا عمل ''صبر'' ہے۔ صبر کی حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے، بے قابو نہ ہونے دے، اور ہر بری چیز سے اپنے آپ کو روک لے۔ لیکن اس مقام تک پہنچنا آسان نہیں۔ بہت سے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے حضرت عارفی رحمہ اللہ نے آسان نسخہ یہ تجویز فرمایا کہ اس کی عادت ڈالو کہ صبح سے لے کر شام تک جو باتیں آپ کی مرضی کے خلاف

ہوں، ان پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہو مثلاً آپ اٹھنا چاہتے تھے چھ بجے لیکن آنکھ ساڑھے چھ بجے کھلی تو فوراً کہہ دیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ بروقت دفتر پہنچنا چاہتے تھے لیکن دیر ہوگئی۔ فوراً کہہ دیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ بات قرآن سے ثابت ہے اور تاجدار دو عالم سرور کونین ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک مرتبہ چراغ گل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مصیبت کے وقت "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہنے کی فضیلت:

ہمارے ہاں رواج یہ ہو گیا ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف ایک ہی مرتبہ پڑھا جاتا ہے (یعنی کسی کے انتقال کے وقت) یہ صحیح نہیں۔ سنت سے یہ ثابت ہے کہ جب بھی کوئی بات مرضی کے خلاف ہو، اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔

اس عمل پر کوئی وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن ان کلمات کے کہنے پر کیا ملتا ہے، دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے:

﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾

(البقرہ:۱۵۶:۱۵۵)

"بشارت سنا دو، ان لوگوں کو جن پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔"

یعنی وہ لوگ جو مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اور ایسے موقعوں پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں، آپ ان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان پر اللہ کی رحمتیں عام بھی

نازل ہوں گی اور خاص بھی نازل ہوں گی اور ایسے لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ غور کیجیے! ایسے لوگوں کو قرآن مجید ہدایت یافتہ ہونے کی سند دے۔

مجاہدین افغانستان کے ساتھ اللہ کی مدد کا مشاہدہ:

اس سے پچھلی آیت میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرة:۱۵۳)

''بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مجاہدین افغانستان نے گیارہ سال تک صبر سے کام لیا۔ پہاڑوں میں ڈٹے رہے، بیوی بچوں کو پاکستان بھیج دیا۔ خود بھوک و پیاس کی تکلیفیں اٹھائیں۔ بمباری اور برفباری کے عالم میں بھی ڈٹے رہے، اپنی آنکھوں سے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ کی مدد اتر رہی ہے بلکہ بہت سے لوگوں کی زبانوں پر یہ آتا تھا کہ یہ جہاد اللہ میاں خود لڑ رہے ہیں۔

الحمدللہ، میں دو مرتبہ افغانستان گیا ہوں۔ ویسے آدمی کو اپنا عمل چھپانا چاہیے، لیکن میں اپنا یہ عمل ظاہر کرتا رہتا ہوں کیونکہ آج کل ہمارے دیندار طبقوں میں جہاد کا تذکرہ اور چرچا نہیں رہا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال اس طریقے سے گزارے ہیں کہ کوئی مہینہ مشکل سے گزرتا تھا جس میں کوئی نہ کوئی جہادی مہم درپیش نہ ہوتی۔

افغانستان جانے کے بعد تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کا مزہ اگر کہیں ہے تو میدانِ جہاد میں ہے اور مرنے کا مزہ اگر کہیں ہے تو وہ بھی میدانِ جہاد میں ہے۔ مجاہدین نے صبر سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے سوویت یونین کا نقشہ دنیا سے مٹا دیا۔ سات مسلم ممالک آزاد ہوئے۔ یہ اور بات ہے کہ آج افغانستان کے لوگ آپس میں اقتدار کی جنگ کے لیے لڑ رہے ہیں، یہ فساد ہے، جہاد نہیں۔ لیکن جب تک انہوں نے صبر سے کام لیا، اللہ تعالیٰ کی معیّت ان کے ساتھ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سپر

طاقت ان کے سامنے ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آج دنیا کا نقشہ اٹھا کر دیکھ لیجئے، وہاں سے سوویت یونین غائب ہے۔ یہ نہتے تھے اور صابرین تھے، ان کے صبر کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

پہلا زینہ:

صبر کے اس مقام تک پہنچنے کے لیے پہلا زینہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک جو بات مرضی کے خلاف پیش آئے اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔ موسم خراب ہوگیا، بیمار ہو گئے، گھر پہنچے بچے کو بیمار پایا، بیوی کو روتے ہوئے پایا، ہر موقع پر کہہ دو انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں تک دو باتوں کا بیان ہوا:

(۱) شکر کا (۲) صبر کا۔

ملا نصیر الدین کا واقعہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ملا نصیر الدین بہت خوبصورت شخص تھے لیکن ان کی بیوی بدصورت تھی۔ ایک روز بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ بیوی سے کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی، میں بھی جنتی، بیگم نے کہا: کیسے؟ کہا: یہ قرآن میں لکھا ہے؟ بیگم بولی: قرآن میں کہاں لکھا ہے؟ کہنے لگے، دیکھو! تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہو، میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں۔ اور صابر و شاکر دونوں جنت میں جائیں گے۔

اگرچہ ملا جی نے یہ بات لطیفہ کے طور پر کہی لیکن یہ بات سچی ہے کہ جو شخص صابر بھی ہو، شاکر بھی ہو، انشاء اللہ وہ جنت میں جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿الطاعم الشاکر کـ لصائم الصابر﴾

(مشکوۃ رقم الحدیث: ۴۲۰۵)

''جو شخص کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس روزے دار کی طرح ہے جو روزہ رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔''

اچھا کھانا اور اچھا پہننا برا نہیں:

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اچھا کھانا اور اچھا پہننا کوئی بری چیز نہیں۔ اچھے سے اچھا کھاؤ اچھے سے اچھا پہنو، اچھے سے اچھی گاڑی میں سفر کرو، اچھے سے اچھا مکان بناؤ، جو مال اللہ نے دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرو لیکن اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کرو اور ان کی محبت دل میں نہ آنے دو۔

دنیا کی مذمت کس صورت میں ہے:

اللہ نے دنیا کی مذمت بھی بیان فرمائی لیکن دنیا کی نعمتوں کو خیر اور فضل بھی فرمایا، مذمت اس صورت میں ہے جب ان کی محبت دل میں گھس جائے اور تعریف ان نعمتوں کی ہے جن کی محبت دل میں نہ گھسے۔ آپ نے دیکھا کہ کشتی پانی کے بغیر چل نہیں سکتی لیکن کشتی کی یہ زندگی اسی وقت تک ہے جب تک پانی کشتی سے باہر ہے، اگر یہ پانی کشتی میں گھس جائے تو اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے مال و اسباب، بیوی بچے، عزیز رشتہ دار، گاڑی و مکانات یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور ان پر ہماری زندگی کی کشتی چلتی ہے لیکن یہ صرف اس وقت تک نعمتیں ہیں جب تک دل میں نہ گھسیں اگر یہ چیزیں ہمارے دل کے اندر آ گئیں تو ہمیں ہلاک کر ڈالیں گی۔

دل تو اللہ تعالیٰ کا مسکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کا دل اپنے لیے بنایا ہے۔ اس میں محبت صرف اللہ کی ہو، اس کے رسول کی ہو، اللہ سے محبت رکھنے والوں کی ہو۔ باقی چیزوں کی محبت دل کے اندر نہ ہو، باہر باہر ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال یہ پیدا ہوگا کہ انسان کو اپنے بیوی بچوں دکان و مکان سے فطری طور

پر محبت ہوتی ہی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی کا دل ان کی محبت سے خالی ہو جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک یہ محبت اس درجے میں ہے کہ اللہ و رسول کی نافرمانی کا ذریعہ نہیں بنتی، اس وقت تک کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر یہ محبت نافرمانی کا ذریعہ بننے لگے تو یہ محبت خطرناک ہے۔

تیسرا عمل:

تیسری چیز ''استغفار'' ہے۔ صبح سے لے کر شام تک ہم سے بے شمار گناہ ہوتے ہیں۔ بہت سے گناہ تو ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے گناہ کیا لیکن بہت سے گناہوں کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم سے گناہ ہو چکا کیونکہ ہم بے فکری کی زندگی گزارتے ہیں۔

جب بھی کوئی گناہ ہو جائے یا پچھلا کوئی گناہ یاد آ جائے تو فوراً کہہ دیا کرو ''استغفر اللہ'' اگر پورے کلمات یعنی ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ'' پڑھیں تو یہ زیادہ اچھا ہے لیکن اگر پورا پڑھنے کا موقع نہ ہو یا کسی کو یاد نہ ہو تو صرف ''استغفر اللہ'' کہنا بھی کافی ہے اور اگر کسی کو یہ عربی الفاظ بھی نہیں آتے تو اپنی زبان میں کہہ دے ''اے اللہ، معاف کر دے۔''

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الانفال: ۳۳)

''اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا اور ایسا نہ تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔''

ہر گناہ پر استغفار کی عادت ڈالیں، نظر بہکی، کسی ناجائز کو دیکھا، نظر ہٹا کر کہیں استغفر اللہ، کوئی غلط بات سنی استغفر اللہ کہیں، کسی بری بات کا پکا ارادہ کر لیا تو استغفر اللہ کہہ کر رک جائیں۔ بری بات کا خیال آنے پر تو گناہ نہیں ہوتا لیکن پکا ارادہ

کرنے پر گناہ لکھا جاتا ہے۔

غرضیکہ کوئی بھی چھوٹا یا بڑا گناہ ہو جائے یا اس کا خیال آ جائے، اس پر استغفراللہ کہہ دیں۔ جب صبح سے لے کر شام تک ہر گناہ پر استغفار کرتے رہیں گے تو رفتہ رفتہ گناہوں میں کمی آتی جائے گی۔ شرم آئے گی کہ ابھی تو استغفراللہ کہا تھا، پھر گناہ کر لیا۔

بڑے سے بڑا گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے:

ایک جگہ میں نے توبہ کا مضمون بیان کیا۔ اس میں میں نے یہ عرض کیا کہ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ''توبہ'' کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی گناہ کو گناہ سمجھے، شرمندہ ہو جائے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ ایسی توبہ کرنے سے یوں ہو جاتا ہے گویا وہ گناہ کیا ہی نہیں۔ البتہ بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک ان سے معافی نہ مانگی جائے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

ایک صاحب کہنے لگے کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے ذمے پندرہ سال کی نمازیں رہی ہوئی ہیں اور ان پر تہہ دل سے توبہ و استغفار کرتا ہوں تو کیا پچھلے پندرہ سال کی نمازیں معاف ہو جائیں گی۔ خوب سمجھ لیجئے کہ وہ معاف نہیں ہوں گی اس لیے کہ نماز کے بارے میں پہلا حکم یہ تھا کہ اسے وقت پر پڑھو۔ اگر وقت پر نہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم یہ ہے کہ بعد میں اس کی قضا کرو۔ جب آپ نے وقت پر نماز نہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ کا حکم ٹوٹنے کی وجہ سے گناہ ہو گیا، آپ نے توبہ کر لی تو وہ معاف ہو گیا۔ لیکن اب اللہ کا نیا حکم آیا کہ اب پڑھو۔ اس نئے حکم کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں۔ اس کی خلاف ورزی کرو گے تو یہ پچھلی توبہ سے کیسے معاف ہو گا؟

گویا توبہ کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ صرف نماز کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ معاف ہوگیا لیکن نماز اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک ادا نہ کی جائے اور چھوٹی ہوئی نماز اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک قضا نہ کی جائے۔

توبہ گناہوں پر پانی پھیر دیتی ہے:

توبہ ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کے گناہوں پر پانی پھیرتی رہتی ہے اور اسے پاک کرتی رہتی ہے۔ ایک صاحب میری اس بات پر کہنے لگے کہ یہ تو گناہوں کی ترغیب ہوگئی۔ بڑے سے بڑا گناہ کرلو اور یہ سوچو کہ توبہ کرلیں گے، تو جو گناہ نہیں کیے، آدمی یہ سوچ کر وہ گناہ بھی کرنے لگے گا کہ بعد میں توبہ کرلوں گا۔

بات یہ ہے کہ اگر وہ بعد میں توبہ کر لے اور اللہ میاں اس کی مغفرت کر دے تو آپ کو اعتراض کیوں ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ کر رکھا ہے کہ میں توبہ کرنے والے کو معاف کر دوں گا۔ کیا آپ اسے جہنم میں پہنچانے کے خواہش مند ہیں!

یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ توبہ سے گناہوں پر جرأت ہوتی ہے:

البتہ یہ یاد رکھیں کہ یہ کہنا کہ اس بات سے گناہوں کی ترغیب ہوگی، یہ صحیح نہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص اس بات کا عادی ہو جائے گا کہ جب بھی اس سے گناہ ہو فوراً توبہ کر لے تو اس کے گناہوں میں کمی آتی جائے گی۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ توبہ کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ جو شخص توبہ کا اہتمام کرے گا، رفتہ رفتہ وہ متقی ہوتا جائے گا۔

ایک مرتبہ ہمارے مرشد حضرت عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ ڈرتے کیوں ہو، پریشان کیوں ہوتے ہو۔ ہر وقت اپنے آپ کو گناہ گار مت کہا کرو۔ توبہ کرلو، استغفار کرلو، معاف ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا: حضرت! اس کا تو

مطلب یہ ہوا کہ آدمی اس خیال سے گناہ کر لے کہ پھر توبہ کر لے گا۔ عجیب طرح کی آنکھیں بنا کر فرمایا: کر نہیں سکو گے۔ جب توبہ کی عادت بنا لو گے تو پھر گناہ کرنا بھی چاہو گے تو اللہ تعالیٰ وہ گناہ نہیں ہونے دے گا۔ کچھ نہ کچھ ایسے اسباب پیش آ جائیں گے کہ وہ گناہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

توبہ کی امید پر گناہ کرنا بہت بڑا دھوکہ ہے:

توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا ہوا ہے جب تک انسان پر نزع کی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ شعر یاد آ گیا ؎

جام میرا توبہ شکن، توبہ میری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

اگر زندگی اسی طریقے سے گزر گئی کہ ہر گناہ پر توبہ کرتے رہے تب بھی بیڑا پار ہے لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ گناہ کو اس امید پر کرنا کہ بعد میں توبہ کر لیں گے یہ دنیا کا سب سے بڑا دھوکہ ہے اس لیے کہ موت ہمیشہ اچانک ہی آتی ہے، وہ بتا کر نہیں آتی کہ میں آ رہی ہوں۔

استغفار کا ایک اہم فائدہ:

استغفار کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ جو شخص بار بار توبہ کرتا ہے، کبھی وہ تکبر میں مبتلا نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے مجرم سمجھتا ہے، شرمندہ رہتا ہے۔ اور ایسا شخص لوگوں سے لڑائی جھگڑا بھی نہیں کرے گا، لوگوں سے انتقام لینے کی بجائے ان کی غلطیوں کو معاف کرے گا کیونکہ اس کے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہوگا کہ میں صبح سے لے کر شام تک کتنی غلطیاں کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرتے ہیں تو اس بندے سے اگر میرے حق میں کوئی غلطی ہو گئی تو میں اس سے کیا مواخذہ کروں۔

چوتھا عمل:

چوتھی چیز ہے ''استعاذہ'' صبح سے لے کر شام تک انسان کو طرح طرح کے اندیشے اور خوف دل میں آتے ہیں۔ فلاں کاروبار میں روپیہ لگایا ہے، کہیں اس میں گھاٹا نہ ہو جائے، فلاں ملازمت کر رہا ہوں، اس میں میری ترقی نہ رک جائے، بیوی حمل سے ہے کہیں اس میں پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے، بچہ بیمار ہے اس کی بیماری نہ بڑھ جائے، مجھے بیماری نہ لگ جائے، گاڑی چلا رہا ہوں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے، دفتر جا رہا ہوں پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے، عزت بے عزتی میں نہ بدل جائے، میری فلاں کمزوری لوگوں کے سامنے آ کر میری رسوائی کا ذریعہ نہ بن جائے، طرح طرح کے اندیشے ہر چھوٹے بڑے انسان کو لگے رہتے ہیں، کوئی انسان ان خطروں سے خالی نہیں۔ آپ ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کتنے اندیشے نظر آئیں گے۔ اندیشوں اور خطرات کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی ہے۔

ان خطرات کی پریشانی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی ایسے خطرے کا خیال پیدا ہو تو فوراً چپکے سے کہہ دیا کرو "أعوذُ باللّٰہ" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) اگر أعوذُ باللّٰہ کا لفظ بھی یاد نہ رہے تو اپنی زبان میں کہہ دو: یا اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس در کا کوئی بھکاری خالی نہیں رہتا۔ جو جانتا ہو کہ وہاں کے علاوہ کہیں اور پناہ نہیں ہے اور یہ جان کر جب وہ پناہ مانگتا ہے تو پھر اللہ میاں ضرور پناہ دیتا ہے، بے پناہ نہیں چھوڑتا۔ اس سے آپ کا مستقبل بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

تینوں زمانے محفوظ!

غور کیجیے! صبر اور شکر کا تعلق زمانۂ حال سے ہے۔ استغفار کا تعلق زمانۂ ماضی سے ہے اور استعاذہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ ان چار عملوں میں انسان کے

تینوں زمانے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور جس شخص کا زمانہ حال، ماضی اور مستقبل تینوں محفوظ ہو جائیں بتایئے، اس کے برابر کون محفوظ ہو گا اور پھر اس کے علاوہ انعامات الگ ہیں جو پیچھے بیان ہوئے۔

ذاکرین میں شمار:

ان سب کے علاوہ ایک اور اہم فائدہ یہ ہے کہ یہ اعمال کرنے والا شخص ''ذاکرین'' میں شمار ہو جاتا ہے کیونکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی ذکر کرتا ہے۔ خوشی ہوتی ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے، تکلیف آتی ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ گناہ ہوتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے، کوئی اندیشہ نظر آتا ہے تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تو انسان ہر وقت یوں محسوس کرنے لگتا ہے کہ ''اللہ میرے ساتھ ہے'' اور یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہوا ہے جو میرے سارے کام کراتے جا رہا ہے۔

ریا سے محفوظ اعمال:

ایک اور خاص بات ان چار اعمال کی یہ ہے کہ یہ اعمال ریا اور دکھاوے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور بہت سے اعمال میں ریا ہو جاتی ہے، جہاد میں جاتے ہیں، دیکھنے والے دیکھتے ہیں، تبلیغ میں لوگ۔ دیکھتے ہیں، اس لیے ان میں ریا ہو جاتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریا کے خوف سے یہ اعمال چھوڑ دیئے جائیں بلکہ بتلانا یہ ہے کہ ان جیسے اعمال میں شیطان اپنی راہ نکال لیتا ہے۔ عالم کی تقریر میں، قاری کی قرأت میں، حاجی کے حج میں ریا کا اندیشہ رہتا ہے کیونکہ ان میں شیطان کو خوب موقع ملتا ہے جبکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ان کی خبر آپ کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ عبادت سب سے زیادہ پسند ہے جو خالص اس کے لیے ہو۔

تو عبادت ایسی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں، اللہ کی عین رضا کے مطابق اور

کسی پیسے کا اور وقت کا خرچ بھی نہیں۔

یہ اعمال فوراً شروع کر دو:

ان اعمال کے بارے میں ایک تجربہ کی بات یہ ہے کہ اگر ان پر فوراً عمل کر دیں تب تو یہ یاد رہتے ہیں اور اگر چند روز تک بھول جائیں تو بس پھر بھول ہی جاتے ہیں۔ آج سے بلکہ ابھی سے عمل شروع کیجیے۔

اس نسخہ پر خود بھی عمل کیجئے اور گھر والوں اور بچوں کو بھی اس کی عادت ڈلوائیے۔ دوسرے مسلمانوں تک بھی یہ پیغام پہنچائیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نسخے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين

........❖........

مصائب اور مشکلات کا علاج

موضوع:	مصائب اور مشکلات کا علاج
خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔
مقام:	دارالعلوم مظاہر العلوم حیدر آباد، سندھ۔
بوقت:	پہلا سالانہ اجتماع، زیر اہتمام مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان شاخ حیدر آباد۔ سندھ
تاریخ:	۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۹۴ء۔
ضبط و ترتیب:	مولانا جمیل احمد صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی۔
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

مصائب اور مشکلات کا علاج

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یہدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشہد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشہد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یا ایّھا الذین آمنوا استعینُوا بالصّبر والصّلٰوۃ انّ اللّٰہ مع الصابرینo

آغازِ بیان:

میں نے اس وقت سورہ بقرہ کی جو آیت تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

> ''اے ایمان والو! تم مدد لو صبر سے اور نماز سے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔''

(اور جب صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوگا تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔)

معاشرہ کی حالت:

آج ہمارے معاشرہ کا جو بحران ہے، معاشرہ میں بے چینی ، بدامنی، ناچاقیاں، پریشانیاں، بیماریاں اور الجھنیں پھیل رہی ہیں، کون سا گھر ہے جو ان سے خالی ہو، گھر گھر یہ فساد ہے۔

شہروں میں جو بدامنی کا حال ہے۔ کراچی اور حیدر آباد کے لوگ سب سے زیادہ واقف ہیں۔ معاشرہ میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ بے اعتمادی کی فضا اتنی کہ باپ کا بیٹے پر، اور بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں رہا۔ خودغرضی ہمارے معاشرہ کا حصہ بن گئی ہے۔

دفتر میں جاؤ تو رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا، عدالت میں مظلوم جائے تو جتنا ظلم اس پر ظالم نے کیا تھا، اس سے زیادہ ظلم عدالت کے چکروں میں سہنا پڑتا ہے۔ یہ ہمارے معاشرہ کی ابتری کا حال ہے۔

بین الاقوامی صورتِ حال:

اور بین الاقوامی سطح پر بھی مسلمان دنیا بھر میں جس طرح بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں، اس کا کچھ اندازہ اخبارات اور ریڈیو میں ہو جاتا ہے، کابل میں جو

کچھ ہو رہا ہے، قازقستان میں مسلمانوں پر قیامت گزری، کشمیر میں مظالم اتنے بڑے پیمانے پر ڈھائے جا رہے ہیں کہ بھارتی فوجیں مسلمانوں کی نسل کشی پر تلی ہوئی ہیں۔

کشمیر میں قتل عام:

پچھلے دنوں بنگلہ دیش میں وہاں ہندوستان کے بعض علماء کرام تشریف لائے ہوئے تھے، ان میں سے ایک بزرگ نے بتلایا کہ ہم چند روز پہلے کشمیر گئے تھے، وہاں اتنے بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے کہ وہاں کے قبرستانوں میں جگہ نہیں رہی، اور کہتے تھے میں ایک دن قبرستان گیا تو بہت بڑی تعداد اور بھاری اکثریت میں قبریں ۱۵۔۱۵ اور ۱۶ سال کے نوجوانوں کی تھیں۔

بھارتی فوجیں چن چن کر بچوں اور نوجوانوں کو قتل کر رہی ہیں، کیونکہ انہوں نے سوچا ہے کہ بوڑھے تو خود ہی مر جائیں گے، اور یہ اٹھنے والی نسل ختم کر دی جائے، اس بڑے پیمانے پر کشمیر میں قتل عام ہو رہا ہے۔

بوسنیا میں خونی کھیل:

بوسنیا میں یورپ کی حکومتوں اور اقوام متحدہ کی شہ پر یوگوسلاویہ کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ خونی کھیل کھیل رہے ہیں۔

فلسطین میں یہودی ٹینک:

فلسطین میں انتفاضہ کی تحریک چل رہی ہے اور آپ دیکھتے ہوں گے تصویروں میں کہ یہودی ٹینکوں کا مقابلہ وہاں کے مجاہدین، نوجوان لڑکے پتھروں سے کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ پتھر مار کر ٹینک تو تباہ نہیں کیا جا سکتا، مگر ٹینک ان کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔

صومالیہ اور الجزائر کی حالت:

صومالیہ میں مسلمانوں کی حالت زار کی خبریں آرہی ہیں۔ الجزائر میں دیندار مسلمانوں کے لیے زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ امریکہ اور یورپ خاص طور سے فرانس کی طاقتیں ان ظالموں کی پشت پناہی کر رہی ہیں، وہاں ایک فوجی حکومت قائم ہے تاکہ دیندار طبقہ کو ختم کر دیا جائے۔

برما اور ہندوستان کے مسلمان:

برما میں مسلمانوں پر ظلم وستم کی داستانیں بکھری ہوئی ہیں، غرض جدھر اٹھا کر آپ دیکھیں وہاں مسلمان طرح طرح کے مصائب اور مشکلات میں گرفتار ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے۔ ''مسجد بابری'' کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، ہم کیا کریں؟ ان حالات کا علاج کیسے ہو؟ اور ہم ان حالات سے کیسے نبرد آزما ہوں؟

قرآن کریم کا نسخۂ کیمیا:

قرآن کریم نے اس آیت میں نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے۔ یہ ایسا نسخۂ اکسیر ہے جس کا کوئی بدل نہیں، جو کبھی ناکام اور بے اثر نہیں ہوتا۔ طبی اور ڈاکٹری نسخوں سے کبھی شفاء ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن یہ نسخۂ پروردگارِ عالم کا بتلایا ہوا ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آئے، کوئی مصیبت یا پریشانی ہو تو ہمیں اس کا علاج دیا گیا اور یہ علاج کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

وہ علاج یہ ہے کہ قرآن کریم نے دو چیزوں سے مدد حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ایک یہ کہ صبر سے مدد لو، دوسرے یہ کہ نماز سے مدد لو۔ اپنے بیان کا آغاز میں نے جس آیت سے کیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہی نسخۂ کیمیا ارشاد فرمایا

ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

﴿یاایھاالذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللّٰہ مع الصّٰبرین﴾ (البقرہ:۱۵۳)

''اے ایمان والو! تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

صبر کی حقیقت کیا ہے؟

صبر کیا ہے؟ صبر کے معنی اور حقیقت کیا ہے؟ عام طور سے لوگ صبر کے معنی بس یہ سمجھتے ہیں کہ غم میں آدمی خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور چیخے چلائے نہیں۔ بلاشبہ یہ بھی صبر ہے لیکن یہ صبر کے پورے معنی نہیں بلکہ صبر کے تین حصوں یا شعبوں میں سے صرف ایک حصہ یا ایک شعبہ ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ہر حالت میں قابو میں رکھے، بے قابو نہ ہونے دے۔

صبر کے تین حصے یا شعبے:

صبر کے تین حصے ہیں۔ جب ان تینوں پر عمل ہو گیا تو انسان صابر کہلائے گا۔

اس طرح ان تینوں حصوں کا مجموعہ مل کر صبر کہلاتا ہے۔

صبر کا پہلا شعبہ ''صبر علی الطاعۃ'' ہے، دوسرا ''صبر عن المعصیۃ'' اور تیسرا ''صبر فی المصیبۃ'' کہلاتا ہے۔

صبر علی الطاعۃ:

صبر علی الطاعۃ یہ ہے کہ شریعت کے جس حکم پر عمل کرنے کو دل نہ چاہے یا جس پر عمل کرنا نفس پر بھاری ہو یا جس پر عمل کرنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو، عزم و ہمت سے کام لے کر اس حکم کو بجا لائے۔ اس کی مثال سمجھئے۔ نیند آ رہی ہے، سردی کا

زمانہ ہے، لحاف کی گرمائی بڑی لذیذ معلوم ہو رہی ہے، ادھر اللہ تعالیٰ کا منادی اذان دے کر نماز اور فلاح کی طرف بلا رہا ہے۔ حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کہہ کر پکار رہا ہے۔ نفس کہتا ہے ذرا ایک کروٹ لے لو، دوسری کروٹ لے لو۔ شیطان کہتا ہے میاں بغیر جماعت کے بھی نماز ہو جاتی ہے، تھوڑی دیر بعد پڑھ لینا، نفس کہہ رہا کہ لیٹے رہو، سوتے رہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منادی کہہ رہا ہے "حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح" جس کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت کامیابی اور فلاح صرف نماز میں ہے اور کسی کام میں اس وقت حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ اس موقع پر آدمی نفس کی بات نہ مانے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائے۔ اس کو "صبر علی الطاعۃ" کہتے ہیں۔

اسی طرح مثلاً دل چاہتا ہے کہ ایک نظر نامحرم کو دیکھے مگر قرآن کہتا ہے کہ:

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم﴾

"آپ کہہ دیجئے مؤمنین سے کہ وہ اپنی نظریں جھکا لیں (نامحرم کو نہ دیکھیں")

اللہ کا حکم ہے کہ نظریں جھکا لو اور نفس کہتا ہے کہ نظریں اٹھا لو۔ اس موقع پر نفس کو قابو میں رکھنا "صبر علی الطاعۃ" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے نفس کو قابو میں رکھنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو نفس کی ناگواری کے باوجود ہمت کر کے بجا لانا "صبر علی الطاعۃ" ہے۔

صبر عن المعصیۃ:

دوسرا شعبہ صبر کا ہے صبر عن المعصیۃ یعنی گناہوں سے بچنا، اپنے نفس کو گناہوں سے روکنا۔ نفس کہہ رہا ہے کہ فلاں گناہ کرو۔ رشوت لے لو، فلاں ایک لاکھ روپے دے رہا ہے رشوت کے، وہ لے لو۔ اپنے آپ کو ایک لاکھ روپیہ لینے سے روک لینا یہ اپنے نفس کو روکنا ہے معصیت سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے تو یہ "صبر عن المعصیۃ" ہے۔

صبر فی المصیبۃ:

تیسرا شعبہ صبر فی المصیبۃ ہے۔ خدانخواستہ کوئی مصیبت یا غم آ گیا۔ اس موقع پر دل تو چاہتا ہے کہ آدمی خوب چیخے چلائے۔ بعض جذباتی لوگ اس موقع پر اپنے بال نوچنے اور سینہ پیٹنے لگتے ہیں، گریبان چاک کر ڈالتے ہیں، بے صبری کرنے لگتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان تمام حرکتوں سے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ بعض لوگ اللہ میاں کی شکایتیں کرنے لگتے ہیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ "کیا بات ہے، بس اللہ میاں کو ہمارا ہی گھر رہ گیا تھا، اس مصیبت میں ڈالنے کے لیے، پتہ نہیں ہم سے کیا گناہ ہو گیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا حرام ہے:

گویا ہم سے کوئی گناہ ہوتا نہیں۔ اللہ میاں کو غلط فہمی ہو گئی کہ انہوں نے ہمیں گنہگار سمجھ کر تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ یہ بے صبری کی بات ہے اور بڑی ناشکری، بڑی گستاخی اور بدتمیزی کی بات ہے۔ حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

راحت و تکلیف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے:

مصیبت کے وقت میں نفس کو قابو میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کا ثواب اس کو ملتا ہے اور یہ یقین رکھے کہ جو تکلیف آتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی بھیجی ہوئی آتی ہے اور جو تکلیف جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجنے سے جاتی ہے۔

قلب مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس پر اس کو ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شکایت زبان پر نہ آئے اور صدمے سے مغلوب ہو کر کوئی کام یا کلام خلافِ شریعت سرزد نہ ہو، یہ حقیقت ہے "صبر فی المصیبۃ" کی۔

حاصلِ کلام:

صبر کے تین شعبے ہوئے:

(۱) صبر علی الطاعۃ یہ ہے کہ فرمانبرداری کے لیے نفس کو آمادہ کرے اور آمادہ رکھے۔

(۲) صبر عن المعصیۃ یہ ہے کہ گناہوں سے بچانے کے لیے نفس کو قابو میں رکھے اور نفس کو گناہ نہ کرنے دے۔

(۳) صبر فی المصیبۃ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے، کوئی کام یا کلام شریعت کے خلاف نہ ہونے دے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول وتلقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب بھی آپ کو کوئی پریشانی اور فکر دامن گیر ہوتی تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔ اگر فرض نماز کا وقت ہے وہ تو پڑھی ہی جاتی تھی، اس کے علاوہ ایسے موقع پر آپ نفل نماز بھی پڑھتے تھے۔ اور یہی آپ نے تلقین فرمائی ہے کہ کوئی پریشانی اور کوئی مصیبت آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو، نماز پڑھ لو۔

نماز بھی صبر ہے:

غور سے دیکھا جائے تو نماز بھی صبر کا ایک حصہ ہے۔ اس کے لیے اور اس کے اندر کئی کام کرنے پڑتے ہیں، وہ ''صبر علی الطاعۃ'' ہے اور کئی کام چھوڑنے پڑتے ہیں وہ صبر عن المعصیۃ ہے۔ نماز کے اندر آدمی اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے بلکہ جو باتیں نماز کے علاوہ حلال تھیں، وہ نماز میں حرام ہوگئیں مثلاً بات چیت کرنا ویسے آپ کے لیے حلال تھا لیکن اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کی تو لوگوں سے باتیں کرنا حرام ہوگیا۔ اسی طرح کھانا، پینا، چلنا پھرنا بھی آدمی کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ نمازی ان

کاموں سے اپنے آپ کو روکتا ہے۔ حاصل یہ کہ نماز میں صبر علی الطاعۃ بھی ہے اور صبر عن المعصیۃ بھی۔

البتہ اتنی بات ہے کہ یوں تو دین کے بہت سارے اعمال ہیں اور تمام اعمالِ خیر صبر ہی کا حصہ ہیں لیکن ان میں سے نماز ایک ایسا عمل ہے جس کے اندر صبر سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ بھری دنیا میں دنیا کے سارے مشاغل، ساری لذتوں اور اس کی ساری دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے یکسوئی اختیار کی جاتی ہے اور زندگی بھر دن میں پانچ مرتبہ اس کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس لیے اس آیت میں صبر کے ساتھ خاص طور پر اسے ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے تمام مصائب کا حل تین چیزوں میں ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم بجا لاؤ۔ دوسرے یہ کہ گناہوں سے بچو، جن چیزوں سے روکا ہے، ان سے رک جاؤ، تیسرے یہ کہ جزع فزع نہ کرو، ہمت نہ ہارو، حوصلے سے کام لو اور حالات کا حکمت اور پامردی سے مقابلہ کرو۔ کوئی پریشانی یا تکلیف پیش آئے تو اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔

جب تم یہ تین کام کر لو گے تو تمہارے مسائل کا حل نکل آئے گا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔ مسلمانوں کے مسائل نہ کسی غیر ملکی امداد سے حل ہوں گے نہ دشمنوں کی خوشامد کرنے سے حاصل ہوں گے۔ نہ بھیک مانگ کر آزادیاں ملیں گی، نہ اللہ سے غافل ہو کر امن و امان قائم ہو گا اور نہ صحت و شفاء ملے گی۔ جو کچھ حاصل ہونا ہے، وہ پروردگار کو راضی کرنے سے حاصل ہو گا۔ وہی رب العالمین اور وہی رب الارباب ہے۔

مسلمانوں کو اقتدار کیسے حاصل ہو؟

حاصل یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاؤ اور اس کے بجا لانے میں لگ جاؤ تو دنیا کی ساری طاقتیں ہمارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی، اور یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں، صرف زبانی عقیدہ کی بات نہیں ہے، بلکہ تاریخ اس کو بار بار دھراتی رہی ہے، جب بھی مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی ہے دنیا کے تخت و تاج ان کے قدموں میں آ گرے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا کرشمہ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عرب کی کیسی قوم تھے، ان پڑھ، جاہل اور تمدن سے دور، اسلام کی تعلیمات رسول اللہ ﷺ سے سیکھیں تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایشیا کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے زیرنگیں آ گیا تھا اور افریقہ کے کئی ممالک ان کے نیچے آ گئے تھے۔ کفر کی ساری طاقتیں ڈھیر ہو جاتی ہیں مومن کے قدموں کے نیچے، جب وہ اللہ رب العالمین کے احکام بجالانے میں لگ جائے۔

نفس کی مثال:

ساری بات ہمت کرنے کی ہے اس نفس کو قابو میں رکھو، تجربہ کر کے دیکھئے کہ چالاک گھوڑے کے اوپر، اگر اناڑی آدمی سواری کرے تو وہ اس کو پٹخ دے گا، اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اوپر سواری کرنے والا شہسوار ہے تو وہ اس کے اشاروں پر چلتا ہے، اس کی حکم عدولی نہیں کرتا، نفس بھی گھوڑے کی طرح ہے، اس کو شہسوار کی ضرورت ہے، اناڑی اس پر سواری نہیں کرسکتا بلکہ اناڑی پر تو الٹا نفس ہی سواری کرنے لگتا ہے اور بالآخر جہنم لے جا کر پھینک دیتا ہے۔

نفس بدترین دشمن ہے:

ہمارا نفس کافر سے بھی زیادہ بدترین دشمن ہے، اس لیے کہ کافر ہر وقت ہمارے ساتھ نہیں رہتا اس مسجد میں کوئی کافر نہیں، الحمدللہ، ہمارا یہاں کوئی دشمن نہیں ہے، لیکن نفس یہاں بھی ساتھ ہے اور آپ جب تنہائی میں جائیں گے وہاں بھی ساتھ ہو گا، نماز میں آتے ہیں وہاں بھی ساتھ ہے وہ ہر وقت کا ساتھی ہے، دشمن ایسا ہے کہ وہ ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے، اگر کسی وقت ذرا سی غفلت اس کی طرف سے کی جائے تو پینترا مارے بغیر نہیں چھوڑتا۔

فاتح کون ہے؟

جو اپنے آپ کو فتح کر لے وہ سب سے بڑا فاتح ہے اور سب سے زیادہ شکست خوردہ انسان وہ ہے جو اپنے آپ سے شکست کھا جائے، انبیاء کرام علیہم السلام یہی تعلیمات لے کر آئے تھے کہ تم فاتح بن کر جینے کے لیے بھیجے گئے ہو، اس نفس کے اوپر فاتح بن کر رہو، مفتوح اور محکوم بن کر نہ رہو ورنہ یہ جہنم میں پھینکے بغیر چھوڑے گا نہیں۔

انسان کے دو بڑے دشمن:

انسان کے دو بڑے دشمن ہیں:

ایک نفس.......... دوسرا شیطان

اور دونوں ایسے کہ نظر نہیں آتے، شیطان بھی ایسا لعین ہے کہ ہر وقت ساتھ ہے، وہ کبھی آدمی بن کر پیش آتا ہے اور کبھی جانور بن کر دھوکہ دیتا ہے اور کبھی ہوا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کبھی دوست کی شکل میں آتا ہے، کبھی مددگار کی شکل میں۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے اور پورے جسم کی رگوں میں گردش کرتا ہے جس طرح خون رگوں میں گردش

کرتا ہے اور وہ بدلہ اتارنے کے لیے ہر وقت تیار ہے، وہ تو ازلی دشمن ہے، وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا، اس لیے وہ ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی فکر میں ہے اور وہ کسی وقت چوکتا نہیں ہے۔

شیطان کا طریقہ واردات:

ہمارے مرشد (عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفی نور اللہ مرقدہ) نے ایک واقعہ سنایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف کا ایک چلہ کیا، مراقبہ، مجاہدہ اور عبادت کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا، جس وقت چلہ ختم ہوا تو دیکھا کہ ایک روشنی ہر طرف چھا گئی۔ اور وہ جگہ منور ہو گئی۔

اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر بھی نور آیا اور ایک غیبی آواز آئی کہ عبدالقادر! تم نے ہماری ایسی عبادت کی ہے کہ تم نے ہمیں خوش کر دیا اور ہم رب العالمین ہیں، رحمان ہیں، رحیم ہیں، آج ہم تمہیں ایک انعام دیتے ہیں۔

اور وہ یہ کہ آج سے تم کو شریعت کے سارے احکام سے مستثنیٰ کرتے ہیں، سارے فرائض معاف کرتے ہیں، سارے حرام، حلال کر دیتے ہیں، اب تم پر کوئی کام فرض و واجب نہیں رہا اور کوئی کام حرام یا مکروہ نہیں رہا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا او ملعون! تو شیطان ہے ابلیس ہے۔ تو مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا کیا میری عبادت رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ہو گئی ہے، جب ان کو فرائض سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور ان کے لیے حرام کو حلال نہیں کیا گیا تو میرے لیے کیسے حرام کو حلال اور فرائض کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ تو شیطان ہے، تو مردود ہے۔ یہ کہہ کر شیخ نے اللہ کی پناہ مانگی اور شیطان غائب ہو گیا، وہ جھوٹا نور بھی غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نور آیا جو پہلے سے زیادہ روشن تھا اسی طرح ایک دوسری طرح کی آواز آئی کہ ”عبدالقادر! تمہارے علم نے تمہیں بچا لیا ورنہ

شیطان نے میرے کتنے ہی بڑے بڑے نیک بندوں کو اسی طریقہ سے دھوکہ دیا ہے" حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ او مردود! تو دوبارہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے کہ میرے علم نے مجھے بچا لیا، میں خوب جانتا ہوں تو بھی مان لے کہ میرے علم نے مجھے نہیں بچایا، بلکہ میرے اللہ نے مجھے بچایا ہے" بہرصورت شیطان، صوفی، عالم، مبلغ اور مجاہد کے پاس انہیں کے روپ میں آتا ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کی سرتوڑ کوشش میں لگا رہتا ہے۔

نفس و شیطان کے فریب کی پہچان:

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نفس و شیطان کے دھوکوں کی ایک پہچان ہے جس سے پتا چلایا جا سکتا ہے کہ کونسا دھوکہ شیطان دے رہا ہے اور کون سا دھوکہ نفس دے رہا ہے؟

نفس کی پہچان:

فرمایا کہ نفس تو لذت اور مزے کا متوالا ہے، نفس تو لپکتا ہے ایسی چیز کی طرف کہ جہاں مزا آئے، دیکھنے میں جہاں مزہ آئے گا وہاں اس کی نظر اٹھے گی، جس چیز کو سننے میں مزہ آئے گا ادھر اس کے کان لگیں گے، جس چیز کو چھونے میں مزہ آئے گا اس کی طرف ہاتھ بڑھیں گے، جس چیز کی طرف کھانے میں مزہ آئے گا، اس کی طرف اس کا ذائقہ لپکے گا اور جس بات کے بولنے میں مزا آئے گا نفس اس بات کی ترغیب دے گا کہ یہ دیکھ لو مزا آئے گا اس کی بات سن لو مزا آئے گا، اسے چھو کے دیکھو کیا مزا آئے گا، اس کو کھا کر دیکھو کیسا مزا آئے گا وغیرہ وغیرہ۔

شیطان کی پہچان:

اور شیطان جو بہکاتا ہے وہ اپنی دلیلیں دے کر بہکاتا ہے مثلاً نماز کے

بارے میں جیسا کہ میں ابھی کہہ رہا تھا کہ اذان ہوئی آنکھ کھل گئی، شیطان کہتا ہے کہ ابھی تو اذان ہوئی ہے تھوڑی دیر اور لیٹ جاؤ چند منٹ اور سو لو گے تو نماز میں چستی اور نشاط کے ساتھ شریک ہو سکو گے۔ اور مختلف طریقہ سے عقلی دلیلیں دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ چلو جماعت نہیں ملی تو نماز بغیر جماعت کے بھی تو ہو جاتی ہے۔

اور نفس کہتا ہے کہ تھوڑی دیر اور لیٹے رہو کہ مزہ آئے گا، ذرا اور نیند آجائے، یہ نفس کا دھوکہ ہے، ان دونوں دشمنوں پر قابو پانا، یہ صبر ہے۔

صبر وشکر کی خصوصیت:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ پورا دین اس کے اندر آجاتا ہے۔

(۱) صبر (۲) شکر

صبر ہی کو دیکھ لیجیے۔ اللہ کے تعالیٰ کے سارے احکام بجا لاؤ، جن چیزوں سے روکا ہے اس سے رک جاؤ، کوئی مصیبت اور تکلیف آئے تو شرعی حدود سے باہر نہ نکلو، یہی پورا دین ہے، اور دوسری طرف شکر کا بھی لب لباب یہی ہے۔ صبر پر بھی جنت کے وعدے ہیں، شکر پر بھی جنت کے وعدے ہیں، قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ:

﴿مَايَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ ان شَكَرْتُمْ وامَنْتُمْ.﴾

(سورۃ النساء: ۱۴۷)

''اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔''

معلوم ہوا کہ شکر گذار بندے کو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا کیونکہ شکر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی نعمت کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔

سبق آموز لطیفہ:

ملا نصیر الدین کے لطیفے بڑے مشہور ہیں۔ ایک دن بڑے موڈ میں تھے۔ بیوی تھی بدصورت اور خود بڑے خوبصورت تھے۔ بیوی سے کہنے لگے کہ بیگم تم بھی جنتی، میں بھی جنتی۔ بیوی نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہا کہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو تم اللہ کا شکر ادا کرتی ہو اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں اور صابر و شاکر دونوں جنت میں جائیں گے۔

دنیا میں آنے کا مقصد:

بلاشبہ یہ دنیا وہ مقام ہے کہ جہاں انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ اس میں آزمائش اور امتحان کے لیے انسان کو اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اس امتحان میں جو کامیاب ہوں گے وہ جنتی ہوں گے اور خدانخواستہ جو ناکام ہو گئے وہ جہنم میں جائیں گے۔ مؤمن کو اس امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ بالغ ہونے سے لے کر موت تک یہ امتحان جاری رہتا ہے۔

دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے:

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر.﴾

''دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

قید خانہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مؤمن جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے؟ تو خوب سمجھ لیجئے کہ قید سے مراد احکام الٰہی کی پابندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مؤمن احکام الٰہی کا پابند ہوتا ہے اور کافر احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتا۔ احکام خداوندی سے اپنے آپ کو آزاد رکھ کر زندگی گزارتا ہے۔ قرآن و سنت کی اور احکام الٰہی کی قید ہے جس میں ہر وقت ظاہری و باطنی اعمال کی بھی حفاظت

کرنی پڑتی ہے، زبان، آنکھ، ہاتھ، پیٹ اور ٹانگوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ غرضیکہ ہر وقت گناہوں سے اپنی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔ کافر کے سامنے تو عقیدۂ آخرت ہے ہی نہیں اور اعمال کی جوابدہی کا کوئی تصور اس کے پاس نہیں، جنت و دوزخ کا ایمان اس کے پاس نہیں۔ وہ بس اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ کھانے پینے میں، پہننے اوڑھنے میں اور دیکھنے، چھونے میں جس طرح چاہتا ہے، عمل کرتا ہے احکامِ الٰہی کی پابندی سے آزاد ہے۔

صبر کرنا آسان نہیں:

صبر کی جو حقیقت آپ کے سامنے آئی، وہ یہ ہے کہ بندہ اللہ و رسول کے احکام کو بجالائے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ جب یہ بات ہے تو صبر آسان نہ رہا، کافی مشکل ہو گیا۔ چونکہ یہ کام مشکل ہے، اس لیے اس پر عظیم انعام کا وعدہ فرمایا گیا، چنانچہ فرمایا گیا کہ:

﴿اِنَّ اللّٰہ مع الصابرین.﴾

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے، انہیں یہ انعام ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت انہیں نصیب ہو گی اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیّت نصیب ہو جائے پھر اس کے لیے دنیا میں کس چیز کی کمی ہے۔

صبر کا مرحلہ کیسے آسان ہو؟

لیکن صبر کا مرحلہ آسان کیسے ہو؟ اس مشکل کا حل ایک ہی ہے اور وہ اللہ رب العالمین کی محبت۔ دل میں اگر اللہ رب العالمین کی محبت سما جائے تو ساری مشکل حل ہو جاتی ہے۔ جب آدمی کے دل میں کسی کی محبت سما جاتی ہے اور دل میں عشق کا

سودا جگہ پا لیتا ہے تو بڑے بڑے پہاڑ کھود ڈالتا ہے، تکلیف محسوس نہیں کرتا ہاں محبت شرط ہے۔

جیسے ماں کے دل میں بچہ کی محبت ہوتی ہے، وہ اپنی تمام راحتوں کو قربان کر کے، بچہ کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لیے بے شمار تکالیف بخوشی گوارا کرتی ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ لاؤ بی بی ہم تم کو اس مشکل سے نجات دے دیں اور تمہارے بچہ کو ہم لے جاتے ہیں، کیا ماں دے دے گی؟ وہ ساری تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتی ہے اس واسطے کہ اس کو محبت ہے اپنے بچہ سے، جب محبت ہوتی ہے تو کام آسان ہو جاتے ہیں۔

افغان مجاھدین کا واقعہ:

یہ مجاہدین افغانستان کا واقعہ سامنے کی مثال ہے، اب وہ جو حرکتیں کر رہے ہیں اس پر تو سارا عالم اسلام رو رہا ہے۔ لیکن جب تک انہیں جہاد کی دھن تھی، کافروں، کمیونسٹوں اور منکرین خدا کے مقابلہ پر اللہ کے لیے لڑ رہے تھے تو واقعہ یہ ہے کہ اس جہاد میں ان لوگوں نے وہ واقعات اور یادیں تازہ کر دیں جو کبھی تاریخ اسلام میں ہم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں پڑھی تھیں۔

اللہ کی نصرت کا مشاہدہ:

اگر ہم وہ واقعات اپنی آنکھوں سے جا کر نہ دیکھتے تو شاید یقین آنا مشکل ہوتا۔ میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ اس جہاد میں حاضری کا موقعہ دیا، وہاں اللہ رب العالمین کی نصرت کے حیرت ناک واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا، وہ نصرت خداوندی نازل ہوئی اس بناء پر کہ قرآن کا وعدہ تھا۔

﴿ان اللّٰه مع الصابرين.﴾

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کمیونسٹوں کے مقابلہ پر یہ مجاہدین نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ اللہ خود ان سے لڑ رہا ہے۔ مجاہدین نے بلاشبہ اس جہاد کے دوران صبر کی وہ مثالیں قائم کی ہیں کہ ان کے نتیجے میں فرشتوں کی مدد آیا ہی کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔

دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا حشر نشر:

ان مجاہدین کا مقابلہ سوویت یونین سے جس کے پاس دنیا کا سب سے بڑا رقبہ تھا۔ سوویت یونین، جس کے پاس دنیا کی سب سے بڑی فوج تھی امریکہ کے پاس بھی اتنی بڑی فوج نہیں تھی۔ روس جس کی فوج کی تاریخ یہ تھی کہ وہ جب کبھی جس ملک میں گھسی وہاں سے وہ کبھی باہر نہیں نکلی، یہ موج ظفر موج، عالم اسلام کو تاراج کرتی ہوئی ستر سال تک بڑھتی چلی گئی۔ ستر سال کے عرصہ میں ازبکستان، بخارا و سمرقند، ترمذ اور تاشقند کو تاراج کیا، تاجکستان، ترکمانستان، کرغیزستان، قازقستان، آذربایجان، قفقان اور کوہ قاف کو تاراج کیا، یہ تمام ممالک کو تاراج کرتی ہوئی آخر میں افغانستان میں آئی تھی اور اس کا اگلا قدم پاکستان کے بلوچستان میں آنے والا تھا۔

مجاہدین خالی ہاتھ تھے، ان کے پاس بندوقیں پرانی قسم کی تھیں وہ بھی اکثر کے پاس نہیں تھیں، لیکن یہ کافر فوج گھس آئی تھی افغانستان میں، بدترین کافر فوج جو اللہ تعالیٰ کے صرف منکر نہیں بلکہ اللہ کے بدترین دشمن بھی تھے، وہ کمیونسٹ تھے جنہوں نے ماسکو، لینن گراڈ میں جنازے نکالے تھے اور یہ اعلان کیا تھا ''یہ خدا کا جنازہ ہے'' العیاذ باللہ، العیاذ باللہ العظیم۔

گن شپ ہیلی کاپٹر اور پتھر:

یہ افغان مجاہدین بہت بڑے علماء اور متقی لوگ نہیں تھے، لیکن اتنا ایمان

سب کا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور ایسے بدترین دشمنانِ خدا کو ہم اپنی سرزمین میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں کے مقابلے میں پتھر لے کر مقابلہ پر ڈٹ گئے دو سال تک ان کی دنیا کے کسی ملک نے مدد نہیں کی، بہت شور ہو رہا ہے ان کی امداد کا، امریکہ تو دو سال تک یہ تماشا دیکھتا رہا کہ ان میں سے جیتنے والا گھوڑا کون سا ہے؟ اگر جیتنے کے آثار نظر آتے روس کے تو وہ روس کی مدد کرتا، اور مجاہدین کے جیتنے کے آثار نظر آتے تو وہ مجاہدین کی مدد کرنے لگا۔ یہ مجاہدین پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑنے کے لیے مقابلہ پر نکلے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو وہ تماشا دکھایا کہ ان صبر کرنے والوں کے اوپر اللہ کی نصرت کا نزول ہوا اور دنیا نے اس کو حیرت سے دیکھا کہ سویت یونین گیارہ سال کے عرصے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

یہی عجیب وغریب حالات و واقعات دیکھنے کے بعد، کئی ممالک کے صحافی اور یورپی صحافی، مرد اور عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں وہ کہتے تھے کہ جنگ ہے ہی نہیں یہ تو کچھ اور ہو رہا ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی کا واقعہ:

مولانا جلال الدین حقانی نے اپنا واقعہ خود سنایا جب وہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے، پھر دوبارہ انہوں نے یہ واقعہ میران شاہ میں ایک دعوت کے موقع پر سنایا، کہنے لگے کہ جب کمیونسٹوں کے خلاف اعلانِ جہاد ہوا تو ہمارے پاس کوئی اسلحہ اور کوئی طاقت نہیں تھی، ہم نے پہاڑوں پر جا کر بسیرا کر لیا، بال بچوں کو پاکستان بھیج دیا، اور جتنے مرد تھے انہوں نے پہاڑوں میں جا کر مورچے سنبھال لیے۔

ہم یہ کرتے تھے کہ نیچے سے کوئی ٹرک گزرتا تو اوپر سے بڑی سی چٹان لڑھکا دیتے، وہ ٹرک پر دھرام سے گرتی ٹرک ناکارہ ہو جاتا اور اس میں سے جو سامان ہمیں ملتا وہ اٹھا کر اوپر لے آتے، اگر کوئی اسلحہ ہوا تو اسلحہ مل گیا یا کھانے پینے کا سامان مل

گیا۔ یا پہننے اور اوڑھنے کے کپڑے اور کمبل وغیرہ۔ ہمیں جب موقع ملتا ہم دشمن فوج پر چھاپے مارتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ تقریباً تین سو مجاہدین تھے ایک وقت ایسا آیا کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔

فجر کی نماز کے بعد میں اپنے مصلی پر بیٹھا ہوا، اللہ میاں سے کہنے لگا کہ یا اللہ یہ تین سو مجاہدین آپ کے نام پر جان دینے کے لیے میرے ساتھ جمع ہو گئے ہیں، لیکن ان کے کھانے کا کیا ہو گا؟

کہتے ہیں کہ میں ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں چونکا، نظر کوئی نہیں آیا، آواز آئی: ''مجھ سے بدگمانی کرتے ہو''؟ میں اپنی بات بھول گیا کہ میں اللہ میاں سے کیا کہہ رہا تھا، میں نے کہا نہیں تو، فرمایا کہ ''جب تم جہاد نہیں کر رہے تھے، اس وقت کھانے کو کون دے رہا تھا''؟ اور جب تم میری خاطر جان دینے کے لیے آ گئے تو کیا اب میں تم کو بھوکا مار دوں گا؟ تمہیں کھانے کی کمی نہیں ہو گی، تمہیں درختوں کے اندر لٹکا ہوا گوشت تک ملے گا۔

کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر کام میں لگ گیا جب مختلف کاموں سے فارغ ہو کر تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہاں واپس آیا تو سامنے درخت پر نظر پڑی دو دنبے جن کی کھال اتری ہوئی تھی اور ذبح شدہ تھے، درخت میں لٹکے ہوئے ہیں مجھے فوراً خیال آیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو اللہ میاں نے کہا تھا کہ درخت پر لٹکا ہوا گوشت ملے گا، میں بھاگ کر پاس پہنچا تو دیکھا کہ اُن دنبوں کے پاس ایک افغانی کھڑا ہے، میں نے پوچھا کیا بات ہے کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا میں اپنے گاؤں سے آیا ہوں، بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ مجاہدین بھوکے ہوں گے، ان کی میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میرے پاس دو دنبے تھے میں انہیں ہانک کر یہاں لے آیا اور ذبح کر کے یہاں درخت پر لٹکا دیا ہے یہ آپ کے لیے ہیں۔ مولانا جلال الدین حقانی کہتے ہیں کہ وہ دن تھا اور آج کا دن ہے، مجھے اور میرے مجاہدین کو اس کے بعد کھانے کی کوئی تنگی نہیں پیش آئی۔

جب اللہ رب العالمین کی محبت دل میں سما جاتی ہے تو بڑے سے بڑے کام آسان ہو جاتے ہیں اور مشکلات سے گزرنے میں مزہ آنے لگتا ہے، نفس کے خلاف لڑنے میں مزہ آنے لگتا ہے۔

نوجوان مجاہد کا جذبۂ جہاد:

جب ہم ارغون کے محاذ پر تھے تو ایک ۲۴ سال کا نوجوان ملا اس کی دلیری اور شجاعت کے بڑے قصے مشہور تھے، اس اکیلے نے روسیوں کے چھ ہیلی کاپٹر تنہا مار گرائے تھے، اور اس کے اندر جو روسی سوار تھے سب کو قتل کر دیا تھا۔

وہ نوجوان ہماری واپسی پر ڈیرہ اسماعیل خان تک ساتھ آیا، راستہ میں بے تکلفی سی ہوگئی، میں نے شادی کا تذکرہ کیا، کہنے لگا والدین تو بہت کہتے ہیں لیکن جب تک ارغون فتح نہیں ہوگا، شادی نہیں کروں گا، پھر فتح ارغون کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ''خوست'' کے محاذ پر برسر پیکار ہے، ''خوست'' کی فتح کے بعد وہ ''گردیز'' کے محاذ پر جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا، وہاں ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا ''تم نے اب تک شادی نہیں کی''؟ کہنے لگا کہ فتح کابل کے بعد شادی کروں گا۔

آخر یہ کیا دھن سمائی ہوتی تھی۔ جسے جہاد کے مقابلے میں شادی بھی گوارا نہیں تھی جب اللہ کی محبت دل میں سما جاتی ہے تو بڑے سے بڑے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی محبت، ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ (آمین)

محبت غیر اختیاری ہے:

سوال پیدا ہوگا کہ محبت تو غیر اختیاری ہے دل پر تو کسی کو اختیار نہیں ہے اور شاعر لوگ تو دل کی بے اختیاری کا ہمیشہ رونا روتے ہیں، تو پھر اللہ سے محبت کیسے پیدا ہو؟ قرآن کریم نے اس کا ایک نسخہ بتلایا ہے، فرمایا:

﴿ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ.﴾

''آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا، یعنی تمہاری محبت کو قبول کرے گا اور تمہاری محبت کو سچا قرار دے گا۔''

اللہ کی محبت کیسے پیدا ہو؟ اور کیسے راسخ ہو؟ ایسی راسخ کہ دین کے کام آسان ہو جائیں۔ گناہوں سے بچنے میں لذت آنے لگے۔ یہ محبت رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور آپ کی سنتوں پر عمل کرنے سے پیدا ہو گی۔ جتنا جتنا اپنی زندگی کو سنتوں کے ڈھانچے میں ڈھالتے جائیں گے، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جاگزین ہوتی چلی جائے گی اور جوں جوں محبت بڑھتی چلی جائے گی، اعمالِ خیر میں لذت آنے لگے گی اور گناہوں سے نفرت ہونے لگے گی۔

حضرت عارفی کی عارفانہ بات:

ایک مرتبہ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے ہر وقت آپ لوگ کہتے رہتے ہیں ہم بڑے گنہگار ہیں، بہت گنہگار ہیں، میاں! ہر وقت اپنے آپ کو گناہ گار مت کہا کرو۔ (کبھی کبھی جوش میں ایسی باتیں فرمایا کرتے تھے، فرمایا) ارے بھئی اگر گناہ ہو گیا تو کیا قیامت آ گئی ہے؟ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟ توبہ و استغفار کر لو، ختم ہو جائے گا۔ جب کفر توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو گناہ تو بدرجہ اولیٰ توبہ سے معاف ہو جائے گا اور توبہ کرنا اپنے اختیار میں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جو باتیں میں تم کو بتاتا ہوں کہ نیکی یہ کرو، اس طرح کرو، اگر تم یہ سب اعمال جو میں تم کو بتاتا ہوں کرتے رہو تو تم گناہ نہیں کر سکو گے، کرنا بھی چاہو گے تو نہیں کر سکو گے۔

سنت کا مطلب:

بہت سے لوگ سنت کا مطلب یوں سمجھتے ہیں مثلاً وضو کی سنتیں، نماز، روزہ

اور حج کی سنتیں وغیرہ۔ ٹھیک ہے ان اعمال کی سنتیں بھی بہت اہم ہیں۔ ان کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے مگر سنت ان اعمال میں منحصر نہیں۔ سنت کا مفہوم بہت عام اور وسیع ہے۔ سنت سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ زندگی، رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے کا انداز، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے، ملنے جلنے، بیوی بچوں کے ساتھ معاشرت، دوستوں کے ساتھ برتاؤ اور دشمنوں کے ساتھ گزارا کرنے کا انداز وغیرہ وغیرہ۔ غرض رسول اللہ ﷺ کا طرزِ زندگی ہی سنت کا دوسرا نام ہے۔

بعض لوگوں کی اس بیان سے بہت ہمت ٹوٹتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں یتیمی بھی ہے، دشمنوں کی گالیاں، اہل وطن کی دشمنیاں بھی ہیں، دانت مبارک کا ٹوٹنا بھی ہے اور فاقے بھی ہیں۔ ایک تکلیف تو نہیں بلکہ مشقت اور جفاکشی کی زندگی ہے۔ بہت سے لوگ ہمت ہارنے لگتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل کیسے کر سکتے ہیں؟

شیطان کی بات مت مانیے:

شیطان کہتا ہے کہ میاں اگر ایسا کرو گے تو مر جاؤ گے۔ وہ زمانہ اور تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوتیں کچھ اور تھیں۔ تم ناز و نعمت میں پلے ہوئے ہو، تم ان سنتوں پر کیسے عمل کرو گے۔ چھوڑو ان سنتوں کو، زمانے کا ساتھ دو اور مزے اڑاؤ۔

لیکن میں بس آپ سے یہی کہوں گا کہ شیطان کی بات مت مانیئے۔ جن جن سنتوں پر عمل کر سکتے ہو، ان کو شروع کر دیجیئے جن پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہمت مانگیئے۔ انشاء اللہ، اس طرح بیڑا پار ہو جائے گا۔ رہی دانت ٹوٹنے اور یتیمی وغیرہ کی بات تو ان سنتوں پر عمل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی اگر یتیم نہیں تو یتیم بن جاؤ اور جا کر کسی سے دانت تڑوالو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تم پر ایسی مصیبتیں آجائیں تو ان آزمائشوں کا مقابلہ اسی ہمت سے کرو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ اور شیطان سے کہہ دو کہ اگر ہم سے

بڑے بڑے کام نہیں ہوسکیں گے تو ان کی وجہ سے ہم آسان سنتوں پر عمل کو ترک نہیں کریں گے۔

متبع سنت کون ہے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے داڑھی رکھ لی تو ہم متبع سنت اور متشرع ہو گئے، اگر کوئی داڑھی کے ساتھ جھوٹ بولتا ہے تو وہ متشرع کہاں ہوا؟ وہ پورے دین پر عمل کرنے والا انسان نہیں بلکہ وہ ادھورا مسلمان ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ داڑھی رکھ لی تو بس سب کچھ ہوگیا اور جس نے داڑھی نہیں رکھی اس کے بارے یہ سمجھا کہ وہ ملعون ہوگیا۔ دونوں افراط وتفریط کی باتیں ہیں۔ ایک نے سنت پر عمل کر رکھا ہے، اس پر اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ دوسرے نے سنت چھوڑ رکھی ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی توفیق دے دے۔ کسی دوسرے کو حقیر سمجھنے یا طعنہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف خیر خواہی کے ساتھ اصلاح کی بات کی جائے اور دعا کی جائے۔

داڑھی رکھنے کو مشکل سمجھنا شیطان کا بہکاوا ہے:

بلاشبہ داڑھی رکھنا ایک اہم سنت ہے اور واجب ہے۔ آج کل کے معاشرے میں اس واجب پر عمل کرنا اکثر گھرانوں میں انتہائی دشوار ہے۔ آدمی ڈرتا ہے کہ اگر داڑھی رکھ لی تو کوئی ملا جی، چچا جان، یا بڑے میاں کہہ کر پکارے گا، کوئی صوفی جی کہے گا۔ بیوی کہے گی یہ تم نے گالوں پر کیا اگا رکھا ہے۔ بچے کہیں گے ابا جان آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ آدمی کے دل میں یہ سب خطرے منڈلاتے رہتے ہیں، اس لیے ہمت نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ بھی شیطان کا بہکاوا ہے۔ کسی داڑھی والے پر کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑی اور نہ وہ ذلیل و خوار ہوا نہ اس کی زندگی اجیرن ہوئی اور نہ

اسے کوئی تکلیف و پریشانی پیش آئی۔ جتنے داڑھی والے ہیں، ان سے پوچھ لو پتہ چل جائے گا کہ ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں آئی البتہ خیر و برکت ضرور آئی ہے۔

سنت پر عمل کرنے سے زندگی خوشگوار ہوتی ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سنت یہ ہے کہ جس سے ملتے تھے مسکرا کر ملتے تھے، خندہ پیشانی سے ملتے تھے، گھر میں مسکراتے ہوئے تشریف لے جاتے تھے۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں مجھے کبھی یاد نہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر ملاقات نہ کی ہو، یہ ایک سنت ہے، اس میں کوئی محنت و مشقت نہیں، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا ہے۔

اس سنت پر عمل شروع کر دیجئے، گھر جایئے اور مسکراتے ہوئے بیوی سے بات کیجئے۔ اس طرح ماتحتوں، گاہکوں اور افسران سے مسکرا کر بات کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی میں خوشگواریاں اور کامیابیاں بڑھ جائیں گی، لوگ آپ سے محبت کرنے لگیں گے، آپ ہر دلعزیز ہو جائیں گے اور گھریلو زندگی بھی خوشگوار ہوتی چلی جائے گی۔

سلام کرنا اور میرے بچپن کا واقعہ:

ایک سنت یہ ہے کہ جو مسلمان ملے اسے السلام علیکم کہو۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، جان پہچان کا ہو یا اجنبی۔ اگر آپ کسی بس یا ٹرین میں سوار ہونے کے بعد اپنی سیٹ پر سلام کہہ کر بیٹھ گئے یا کسی مجلس میں سلام کہہ کر داخل ہوئے تو السلام علیکم کی برکت سے ماحول آپ کا ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔

مجھے اپنے بچپن کا واقعہ یاد آ گیا، میری جان تو پٹائی سے السلام علیکم کی وجہ سے بچی تھی، دیوبند میں ہمارے محلہ کی مسجد تھی، جس میں ایک امام صاحب جو سنکیانگ (چین) کے باشندے تھے۔ دیوبند کے بڑے فاضل عالم تھے۔

محلّہ کے دس بارہ بچے جس میں میرے بڑے بھائی بھی شامل تھے، مسجد میں شرارت، بھاگ دوڑ اور شور کرنے لگے، اس وقت میری عمر تقریباً چھ سات سال تھی، امام صاحب نے کئی بار ٹوکا مگر بچے باز نہ آئے۔ دو تین مرتبہ کی تنبیہ کے بعد امام صاحب باہر دوڑتے ہوئے نکل آئے، جو بڑے لڑکے تھے وہ مسجد کے ستون کے گرد گھوم گھوم کر سب باہر نکل گئے، میں چھوٹا تھا، بھاگ نہ سکا جیسے ہی امام صاحب میری طرف آئے تو میں نے کہا ''السلام علیکم'' تو انہوں نے مجھے تھپکی دی اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور چھوڑ دیا۔ میرے دل پر تو نقش اس وقت سے بیٹھا ہوا ہے کہ ''السلام علیکم'' کہنا کیسی بڑی نعمت ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ لوگ صرف جان پہچان والوں کو سلام کریں گے، اجنبی لوگوں کو سلام نہیں کریں گے، آجکل یہی ہو رہا ہے، اس سنت کو زندہ کیجئے، آپ دیکھیں گے کہ آپ کی زندگی میں آسانی پیدا ہو رہی ہے، زندگی کا لطف بڑھ رہا ہے۔

سنت پر عمل، بیماری سے تحفظ:

کھانے پینے کی سنتیں ہیں: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا، بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا، پانی تین سانس میں پینا، سانس برتن منہ سے الگ کر کے لینا، دائیں ہاتھ سے پانی پینا، جہاں سے گلاس اٹھایا ہو وہیں واپس رکھنا تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو اور آخر میں الحمدللہ کہنا۔

اطباء کہتے ہیں کہ جو شخص کھڑے ہو کر پانی نہیں پیتا اس کا پیٹ کی متعدد بیماریوں سے بچاؤ ہو جاتا ہے اسی طرح کھانے کی سنتیں ہیں۔ آج سے عمل شروع کر دیجئے۔ عزم کیجئے اور اللہ کے بھروسہ پر ان چھوٹی چھوٹی سنتوں کے علاوہ جو مزید سنتیں معلوم ہوتی جائیں ان پر عمل کرنا شروع کر دیجئے، انشاء اللہ تمام سنتوں پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

میرا یقین ہے کہ جب آپ ان سنتوں پر عمل شروع کر دیں گے تو رفتہ رفتہ عمل کرنے میں لذت آئے گی، قلب میں وہ نور آئے گا جس سے زندگی کو سرور ملے گا اور بڑی بڑی سنتوں کی طرف آپ کا دل خود بخود راغب ہوگا اور مشکل سنتوں پر بھی عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

اور جب سنتوں پر عمل ہونے لگے گا تو اللہ رب العالمین کی محبت کا کمال حاصل ہوگا اور پھر سارا دین آسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی معیّت نصیب ہو گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين
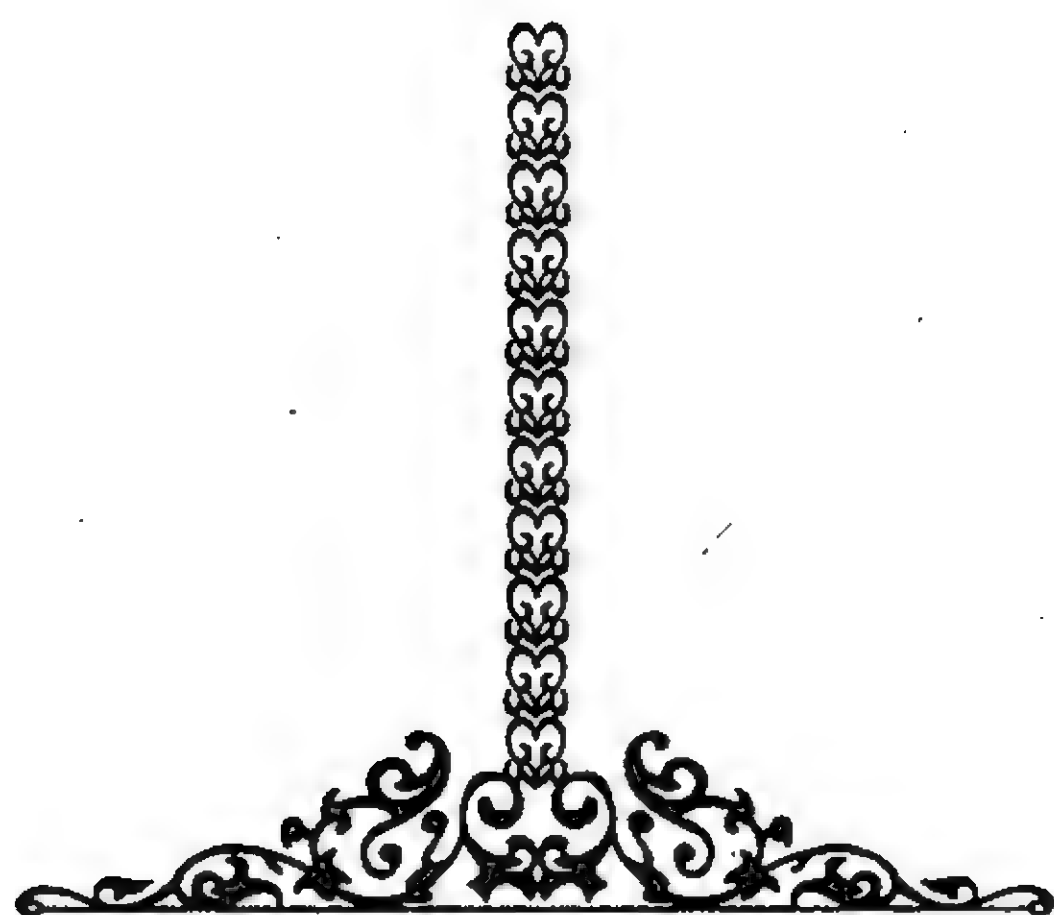
معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے
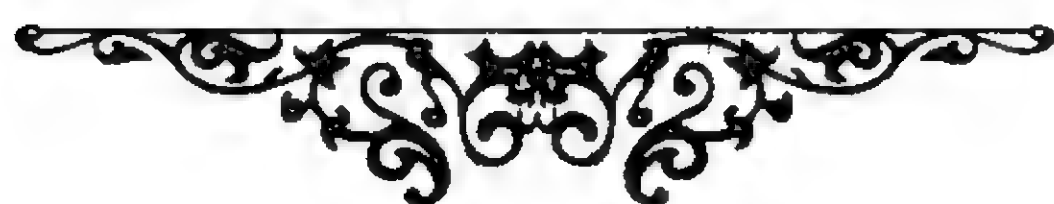
موضوع: معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: جامع مسجد، دارالعلوم کراچی،
تاریخ: ۸ ستمبر ۲۰۰۳ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿معاملات اور معاشرت، دو اہم شعبے﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o انّما یخشی اللّٰہَ مِنَ عبادِہٖ العلمٰؤا۔

تمہید:

عزیز طلبہ!

سال کا آخر ہو رہا ہے۔ امتحانِ سالانہ کا وقت قریب ہے۔ اسباق کا بھی زور ہے اور آپ حضرات امتحان کی تیاریوں میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ مجھے تأمل تھا کہ آج خطاب کیا جائے یا نہیں، لیکن مجھے بتایا گیا کہ طلبہ کو میرے خطاب کا انتظار بھی ہے اور تقاضا بھی۔ ادھر یہ بات بھی ہے کہ آج کے بعد میرے لیے اس سال کے آخر تک کوئی ایسا موقع نہیں تھا جس میں آپ حضرات سے خطاب کیا جا سکے کیونکہ مسلسل سفر درپیش ہیں، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ حضرات سے خطاب ہو جائے۔ ایک خطاب ختم بخاری کے موقع پر ہو گا لیکن اس میں عام خطاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں طلبہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ اپنے گھر والوں اور اپنی اس اولاد سے خطاب تو یہیں ہوتا ہے۔ اس نوعیت کا یہ خطاب اس سال کا آخری خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے زندگی رکھی تو آئندہ سال پھر انشاء اللہ اس طرح کا خطاب ہوا کرے گا۔

دارالعلوم کا کنبہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دارالعلوم کا کنبہ مسلسل پھیلتا جا رہا ہے۔ دنیا کے کتنے ہی ممالک میں دارالعلوم کے فضلاء دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور الحمد للہ، وہاں نیک نام ہیں۔ لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے لیکن جب کنبہ پھیل جاتا ہے تو کنبہ والے کے لیے سب کو سنبھالے رکھنا اچھا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ اب کیفیت یہ ہے کہ ماشاء اللہ، ہمارے دارالعلوم کے فاضلین نے اپنے اپنے علاقوں میں ادارے قائم کیے، کہیں مکاتب قرآنیہ کا سلسلہ ہے، کہیں درس نظامی کے مدارس ہیں، کہیں ابتدائی درجات ہیں، کہیں دورۂ حدیث تک اسباق

ہیں، کہیں دارالافتاء قائم کیا جا رہا ہے، کہیں دارالتحقیق اور دارالتصنیف قائم ہو رہا ہے۔ اب ان سب کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہمارے اساتذہ آ کر ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیں، ہمارے کام کو دیکھیں، ہماری رہنمائی کریں اور ہمارے لیے دعا کریں تاکہ ہماری حوصلہ افزائی ہو۔ یہ ان کا حق بھی ہے لیکن ''یک انار وصد بیمار'' والا معاملہ ہے۔ الحمد للہ، دارالعلوم کے اساتذہ کرام ایک دو تو نہیں، بہت ہیں لیکن جتنا بڑا کنبہ ہے، سارے اساتذہ کے لیے بھی اس کو سنبھالنا آسان نہیں۔ ابناءِ دارالعلوم کا یہ کنبہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ ہمیں ان کے پاس بھی جانا پڑتا ہے۔ گلگت کا سفر بھی ابناءِ دارالعلوم کی دعوت پر ہوا تھا اور ابھی حال میں ایک ہفتہ کا سفر بھی ابناءِ دارالعلوم کی دعوت پر اور ان کے کاموں کو دیکھنے کے لیے ہوا۔ غرض یہ کہ ان کاموں میں ہمارا کافی وقت خرچ ہو جاتا ہے۔

فضلاءِ دارالعلوم کی ایک خاص شان:

الحمد للہ، یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ دارالعلوم کے فاضلین جہاں بھی کام کر رہے ہیں، وہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ ہمیں مسلسل یہ اطلاعات ملتی ہیں کہ جب یہاں پاکستان ہی میں فوج یا سرکاری اداروں میں خطابت کے لیے یا مذہبی افسر (Relegious Officer) کے لیے درخواستیں لی جاتی ہیں تو انٹرویو کے لیے سینکڑوں آدمی آتے ہیں لیکن جب انتخاب ہوتا ہے تو دارالعلوم ہی کے فاضلین کا انتخاب ہوتا ہے۔ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو سرکاری اداروں میں بھی ایک وقار عطا فرمایا ہے اور عوام بھی الحمد للہ اعتماد کرتے ہیں، دارالعلوم کے فاضلین کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔

الحمد للہ، میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ دارالعلوم کے فاضلین بے کار پھر رہے ہوں۔ فارغ ہوتے ہی ان کو فوراً جگہ مل جاتی ہے بشرطیکہ اس نے محنت اور تقویٰ کے ساتھ طالبعلمی کا دور گزارا ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کا کرم ہے۔ ہم اس پر جتنا بھی شکر

کریں، کم ہے۔

دین کے دو اہم شعبے جن کا بیان کم ہوتا ہے:

آج کے خطاب میں ایک بات جو میں پہلے بھی کہتا رہا ہوں اور آج بھی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ مختلف جگہوں پر جائیں گے، علماء اور بزرگوں کے خطابات سنیں گے، دین کی اہم باتیں ہوں گی لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جو عام طور پر تقریروں اور مواعظ میں بیان نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ دین کا بڑا اہم اور بنیادی شعبہ ہے بلکہ دو شعبے ہیں۔ ایک معاملات، دوسرے معاشرت۔ ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ معاملات سے مراد دوسروں سے لین دین، شرکت، تجارت، مضاربت، ملازمت، مزدوری وغیرہ کے کام ہیں۔ معاشرت کا موضوع یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ مل کر کس طرح زندگی گزارے، دوسروں کے ساتھ میل جول کس طرح ہو۔

ہر انسان کو ہر وقت دوسرے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ گھر میں جائے گا تو گھر والوں سے واسطہ پڑے گا، سبق پڑھنے جائے گا تو ساتھیوں سے واسطہ پڑے گا، مسجد میں آئے گا تو نمازیوں سے واسطہ ہے، بازار میں جائے گا تو عوام سے واسطہ ہے۔ غرضیکہ جہاں بھی جائے گا، کچھ نہ کچھ لوگوں سے واسطہ پیش آئے گا۔ ان کے ساتھ سلوک کیسا ہو، گفتگو کیسی ہو، اختلافِ رائے ہے تو اس کا اظہار کس طرح کیا جائے، اتفاق ہے تو اسے کس طرح بیان کیا جائے، دوستی کس طرح ہو، اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے دشمنی ہو تو اس میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چھوٹوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا، بڑوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا اور اپنے ہم عمروں کے ساتھ کیا کرنا یہ ساری تفصیلات ''معاشرت'' سے متعلق ہیں۔

معاشرت کی حقیقت اور اہمیت:

''معاشرت'' کا لفظ ''عشرت'' سے بنا ہے۔ عشرت زندگی کو کہتے ہیں۔

معاشرت ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا نام ہے۔

اسلام نے معاشرت کے متعلق بہت احکام دیئے ہیں۔ تقریباً پوری کی پوری سورۂ حجرات معاشرت کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ قرآن مجید نے معاشرت کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اسی طرح احادیث کے اندر بھی اس کے متعلق مفصل ہدایات موجود ہیں۔ عام طور پر تقریروں اور مواعظ میں الحمدللہ عقائد کا بیان بھی ہوتا ہے، عبادات کا بیان بھی ہوتا ہے، فضائل کا بیان بھی ہوتا ہے، بلاشبہ ان کی اہمیت بالکل کم نہیں کی جا سکتی، وہ تو مقصودِ اصلی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ بعض جگہوں پر لڑائی جھگڑے کا بیان بھی سنیں گے۔ کوئی بریلویوں کو مکّے دکھا رہا ہوگا، کوئی اہلحدیثوں کو مکّے دکھا رہا ہوگا، کوئی اچھل کود کر تقریر کر رہا ہوگا۔

فضائل کا بیان تو بہت اہم ہے لیکن مکّے دکھانے والا طریقہ کوئی مناسب طریقہ نہیں۔ نہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ سکھلایا اور نہ ہی یہ سنت انبیاء ہے۔ سنت انبیاء تو یہ ہے کہ نرمی، ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اپنی بات کو سمجھایا جائے۔ عام طور پر اچھل کود کر تقریریں کرنے والے ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں بزرگوں کی صحبت حاصل نہیں ہوتی، دین کی صحیح تربیت نہیں ملتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مناظرہ باز لوگوں کی تقریریں سن سن کر بولنا تو خوب آ جاتا ہے لیکن دین کی فہم میں کمی آ جاتی ہے۔

جبکہ معاملات اور معاشرت کے متعلق بیانات اتنے کم ہوتے ہیں حتیٰ کہ ذہنوں میں یہ آنے لگتا ہے کہ شاید اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ دین کے بہت بڑے شعبے ہیں۔ اور ان کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان کا تعلق حقوق العباد سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں تو بہت فیاض ہے، آسانی سے معاف کر دیتا ہے لیکن بندے کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک اُس سے معاف نہ کرایا جائے، اس لیے حقوق العباد کا معاملہ بہت نازک اور سنگین ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں ایک معمول:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی مرید رات کو تہجد نہ پڑھے، اوابین یا دوسری نفلیں نہ پڑھے تو کوئی سرزنش نہیں ہوتی تھی، تلاوت میں یا تسبیحات میں کمی ہو جاتی تو کوئی سرزنش نہیں ہوتی تھی۔ تلقین تو کی جاتی تھی لیکن اس پر سختی نہیں ہوتی۔ لیکن معاشرت کے معاملے میں اگر کوئی بدتمیزی کرتا تو اس پر ڈانٹ پڑتی تھی اور بڑے بڑے علماء پر پڑ جاتی تھی بلکہ علماء پر تو زیادہ پڑتی تھی۔ بعض دفعہ ڈانٹ پڑتی تھی، بعض مرتبہ نکال دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر کسی کو بزرگ بننا ہو تو کسی دوسری خانقاہ میں جائے، جس کو انسان بننا ہو، وہ میرے پاس آئے، میں تو انسان بناتا ہوں۔''

بزرگ بننے سے پہلے انسان بننا ضروری ہے اور انسان میں اس وقت تک انسانیت نہیں آتی جب تک کہ معاشرت اور معاملات شریعت کے مطابق نہ ہوں، اس وجہ سے میں آپ حضرات کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں۔

نظم و نسق کا اہتمام کرنے اور نہ کرنے کے اثرات:

بعض جگہوں پر اپنے دارالعلوم کے فاضلین کے ہاں جانا ہوا۔ ماشاء اللہ، وہاں نظم و نسق اور سلیقہ ہر چیز میں نمایاں نظر آیا۔ درسگاہوں میں، رہائش گاہوں میں، جلسہ کیا تو اس میں بھی ہر چیز قاعدے میں مرتب نظم و نسق کے ساتھ نظر آئی۔ مہمانوں کو بھی راحت ملی، خوشی ہوئی۔ انہوں نے یہاں دارالعلوم سے یہ بات سیکھی تو اپنے ہاں اس کو اختیار کیا۔

لیکن بعض جگہوں پر جانا ہوتا ہے۔ وہ بھی یہیں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں لیکن انہوں نے یہ بات پوری طرح نہیں سیکھی ہوتی تو ان کے ہاتھوں وہی بے ڈھنگ ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے سے کوئی بات سوچی سمجھی نہیں، جلسہ شروع ہو گیا، اب یہ

سمجھ میں نہیں آ رہا کہ لاؤڈ سپکیر پر اعلان کس سے کروائیں۔ اسی وقت کسی کو پکڑ لائے، اس نے اعلان کرنا شروع کیا تو اچانک لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا، بجلی چلی گئی۔ بیٹری کا بھی انتظام نہیں۔ اب سب حاضرین بیٹھے ہیں۔ پھر یہ کہ کچھ پیچھے، بیٹھنا مشکل، چلنا مشکل، منتظمین بھی پریشان، حاضرین بھی مشکل میں۔ کسی کو یہ خبر نہیں کہ میری ذمہ داری کیا ہے یا پھر ایک دو آدمیوں کے ذمہ سارے کام ہوتے ہیں، وہ آگے پیچھے ہو گئے تو ایک ہڑبونگ سا نظر آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مہمان یہ تاثر لے کر جاتے ہیں کہ مولویوں کو انتظام نہیں آتا، یہ بے ڈھنگے ہوتے ہیں، ان کے اندر صفائی ستھرائی نہیں ہوتی جبکہ یہ بلند بانگ دعوے کرتے ہیں کہ ہمیں ووٹ دو، ہم اسلامی حکومت لائیں گے۔ اگر ان کے ہاتھ حکومت آ گئی تو یہ ملک کا ستیاناس کر ڈالیں گے۔

دارالعلوم میں صدر ضیاء الحق کے آنے کا واقعہ:

جہاں کہیں نظم ونسق اچھا ہوتا ہے تو وہاں تعریف بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے کانوں سے یہ سنا کہ صاحب! انتظام بھی سیکھنا ہو تو علماء سے سیکھو۔ ہم آپ کو یہاں دارالعلوم کا واقعہ سناتے ہیں۔ ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ ضیاء الحق صاحب پاکستان کے صدر تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ مجھ سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دارالعلوم دیکھوں۔ ہم اس خیال سے دعوت نہیں دیتے تھے کہ صدر کو بلانا آسان کام نہیں ہوتا، ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ صدر صاحب حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت عقیدت مند تھے۔ حضرت کے پاؤں دباتے تھے۔ ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں دارالعلوم آنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے دعوت دے دی کہ اچھا آپ دارالعلوم آ جائیں۔ لائبریری کا افتتاح ان سے کروانا طے ہو گیا۔ اگرچہ افتتاح پہلے ہو چکا تھا رسماً ان سے چابیاں کھلوانا طے ہوا۔

اب ایک مہینہ پہلے سے مختلف سرکاری ایجنسیوں کی آمد ورفت شروع ہو گئی، ریڈیو، ٹی وی اور پولیس اور فوج والے بھی آنے شروع ہو گئے۔ آخری دن کمشنر وغیرہ

سب آئے۔ ہمارے انتظامات دیکھ کر حیران رہ گئے، کمشنر صاحب نے کہا مفتی صاحب! آپ نے تو ہم سب کو مات کر دیا۔ آپ نے حسنِ انتظام میں حد کر دی، ہم ایسا منظم انتظام نہیں کر سکتے۔ اگلے دن ضیاء الحق صاحب یہاں آئے۔ الحمد للہ، ایسا منظم پروگرام ہوا کہ اگلے دن پورے اخبارات اس سے بھرے پڑے تھے اور اخبارات نے شہ سرخیاں لگا لگا کر لکھا کہ یہ ملکی تاریخ کی یادگار اور بے نظیر تقریب تھی۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جو کہا، کر کے دکھا دیا۔ کیا مطلب یعنی دارالعلوم کراچی فتویٰ دیتا ہے کہ تصویر حرام ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملک کا صدر اس تقریب میں موجود تھا لیکن ایک کیمرہ حرکت میں نہیں آیا۔ ٹی وی کے اعلیٰ افسران ہمارے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ ہم کہاں کیمرے نصب کریں گے۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہنے لگے صاحب! ہماری تو ملازمت چلی جائے گی۔ ہماری تو یہ ذمہ داری ہے کہ جہاں صدر مملکت جاتا ہے، ٹی وی پر اس کے سارے مناظر دکھاتے ہیں۔ ہم مجبور ہیں۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی ملازمت نہیں جائے گی، ہم صدر صاحب سے بات کر لیں گے۔

اسی طرح اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے لوگ بھی آ کر پوچھنے لگے کہ ہمارے لیے آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹھنے کا یہ انتظام ہے۔ آپ کو چائے بھی ملے گی، خاطر مدارات بھی ہو گی لیکن دارالعلوم کے احاطے کے اندر کیمرے کا داخلہ بند ہے۔

ٹی وی نے ضیاء الحق صاحب کی آمد کا سارا منظر دکھایا۔ جہاں سے چلے وہاں سے مناظر شروع ہوئے۔ راستے میں لوگ ان کا استقبال کر رہے ہیں، زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں، پھر باہر سے دارالعلوم کا احاطہ دکھایا گیا، گیٹ دکھایا گیا، گیٹ بند تھا، جب ضیاء الحق صاحب کی گاڑی پہنچی تو گیٹ کھلا۔ ضیاء الحق صاحب دارالعلوم کے اندر داخل ہوئے تو گیٹ بند اور ٹی وی بھی بند۔ آگے کا کوئی منظر ٹی وی پر نہیں دکھایا۔ یہ پاکستانی تاریخ کی پہلی تقریب تھی کہ صدر مملکت وہاں موجود تھا اور

وہاں کوئی کیمرہ حرکت میں نہیں آیا۔

''ایسی منظّم تقریب میں نے کہیں نہیں دیکھی''

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے منظم ایسی تھی کہ قابل دید تھی۔ اخباری نمائندوں اور کالم نگاروں نے اس پر کالم لکھے۔ چند ہی روز کے بعد ضیاء الحق صاحب یہاں کراچی میں کسی تقریب میں تشریف لائے۔ مجھے بھی اس میں بلایا گیا۔ عام مہمان باہر تھے۔ خاص خاص مہمانوں کو اندر ایک ہال میں رکھا گیا، اس کے اندر میں بھی تھا۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو میرے برابر میں گورنر سندھ تھے، ان کے برابر میں ضیاء الحق صاحب تھے اور میرے بائیں ہاتھ پر صدر صاحب کے ملٹری سیکرٹری تھے، بعد میں وہ بڑے جنرل ہو گئے۔ وہ مجھ سے کہنے لگے، مفتی صاحب! آپ نے ایسی زبردست اور منظّم تقریب کی کہ میں تو بیان نہیں کر سکتا۔ ضیاء الحق صاحب بعد میں گاڑی میں بیٹھ کر مجھ سے بار بار کہنے لگے کہ ایسی منظّم تقریب میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ جہاز میں بھی مجھ سے ذکر کرنے لگے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ یہ تو ضیاء الحق صاحب کی بات ہے، آپ میری بات بھی سنیں۔ میں ضیاء الحق صاحب کے ساتھ کتنی تقریبات میں شریک ہوتا ہوں۔ اندرون ملک میں بھی اور بیرون ملک کی تقریبات میں بھی ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ ایسی منظّم تقربب میں نے کہیں نہیں دیکھی جیسی منظّم تقریب آپ کے ہاں تھی۔

مصافحہ کرانے کا عمدہ انتظام:

ہم نے یہ انتظام کیا تھا کہ دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور تمام ملازمین کا مصافحہ ضیاء الحق صاحب سے کروائیں گے لیکن ہر ایک کے مصافحے کی جگہ الگ مقرر تھی۔ ضیاء الحق صاحب جس شعبے میں پہنچیں گے، وہاں شعبے کا ذمہ دار اپنے عملے کے ساتھ موجود ہو گا اور سب عملے کا ضیاء الحق صاحب سے مصافحہ کرائے گا۔ اس طریقے سے ہر ایک کے

الگ الگ مصافحے ہوئے۔ ہمارے چپڑاسی منظور کا بھی مصافحہ ہوا۔ ہمارے دفتر کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ سب سے آخر میں صدر صاحب وہاں آئے۔ وہاں اکیلے اس نے صدر صاحب کا استقبال کیا۔

ایک وفاقی وزیر کے تاثرات:

کچھ عرصے بعد مولانا روح اللہ صاحب اُتمان زئی والے یہاں تشریف لائے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے آپ کے یہاں کی تقریب کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہمارے علاقے کے ایک وفاقی وزیر ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ دارالعلوم کراچی کن لوگوں کا ہے۔ میں نے بتایا کہ ہمارے اپنے لوگ ہیں۔ کہنے لگا کہ ضیاء الحق صاحب نے کابینہ کی میٹنگ میں اس جلسے کی بہت تعریف کی اور کہا کہ دارالعلوم والوں نے ایسی تقریب کی کہ میں نے ایسی منظّم تقریب کہیں نہیں دیکھی۔ پھر مولانا روح اللہ صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ نے کیا کیا تھا؟ میں نے کہا کہ صرف انتظام تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ہم نے لوگوں پر کام تقسیم کر رکھے تھے۔ ہر ایک کو معلوم تھا کہ میرے ذمے کیا کام ہے۔ مجھے کہاں، کس وقت، کیا کام کرنا ہے۔

بہت سے ذمہ دارانِ مدارس ہمارا نظم ونسق دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں:

میں آپ لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ الحمد للہ، آپ نے دارالعلوم میں نظم ونسق کو دیکھا ہے۔ ابھی ویسا نظم ونسق تو نہیں جیسا ہم چاہتے ہیں، ہماری تمنا یہ ہے کہ اس کا نظم ونسق اور زیادہ اچھا ہو اور انشاء اللہ ہوگا، بتدریج ترقی ہو رہی ہے لیکن اب بھی ملک کے کتنے ہی مدرسوں کے ذمہ داران محض اس نظم ونسق کو دیکھنے کے لیے سفر کر کے یہاں آتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ آپ کے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں، وہ ہمیں دے دیں تاکہ ہم اپنے مدرسوں میں اس نظم ونسق کو جاری کر سکیں۔

(یہاں تک بیان کے بعد بجلی چلی گئی، حضرت نے تمام طلبہ کو گیارہ مرتبہ انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون o پڑھنے کے لیے فرمایا۔ اتنی دیر میں جامعہ کا جنریٹر چل گیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا) دیکھئے! یہ بھی نظم ونسق کا حصہ ہے کہ یہ متعین ہے کہ جب بجلی جائے گی تو کون جنریٹر چلائے گا۔ یہ نہیں کہ بجلی چلی گئی تو بلاتے پھریں کہ فلاں کو بلاؤ، یہ کرو، وہ کرو۔ معلوم ہوا کہ وہ پیشاب کرنے گیا ہوا ہے۔ چابی اس کے پاس ہے۔ اب سارے کے سارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ بدنظمی کے نتیجے میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

سرکاری اداروں کے ذمہ داران کے تأثرات:

پہلے سرکاری اداروں میں کچھ حسنِ انتظام تھا۔ اب وہاں بھی بدنظمی ہوتی ہے۔ سرکاری اداروں کے افسران ہمارے ہاں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں نظم ونسق ایسا ہے کہ آپ کے ادارے کے سامنے ہماری یونیورسٹیاں بھی شرماتی ہیں۔ یہ انگریزی دان طبقہ جو پہلے مدارس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ صاحب! مدرسوں میں گندگی پھیلی ہوتی ہے، کوئی ڈسپلن نہیں ہوتا، ایڈمنسٹریشن (Administration) نہیں ہوتی۔ (انگریزی کے الفاظ بول بول کر اظہار کرتے تھے) الحمد للہ، اب وہ یہاں آکر شرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اداروں میں اتنا حسنِ انتظام نہیں، جتنا یہاں ہے۔

علماءِ کرام کی عزت دین کی عزت ہے:

ہمارا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ ہمارا حسنِ انتظام ایسا مثالی ہو کہ علماءِ کرام کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو کیونکہ علماءِ کرام کی عزت دین کی عزت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جہاں بیٹھ کر درس حدیث دیتے تھے، بہت شاندار مسند تھی۔ ہر وقت خوشبو سے مہکی رہتی تھی اور جب درس کے لیے آتے تو روزانہ نیا جوڑا پہن کر آتے تھے۔

کسی نے ان کے لیے اس کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ حدیث کی شان اس میں تھی۔ اور درس حدیث اس قدر عظمت سے پڑھاتے تھے کہ ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران شاگردوں نے دیکھا کہ بار بار ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ پڑھتے پڑھتے اچانک بے چین ہو جاتے ہیں لیکن درس حدیث کی وجہ سے کچھ نہیں کیا۔ کافی دیر کے بعد جب حدیث کا درس ختم ہوا تو شاگردوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ میرا کپڑا دیکھو، کوئی جانور گھسا ہوا ہے۔ پشت سے کپڑا ہٹا کر اندر دیکھا تو ایک بچھو تھا جس نے نجانے کتنے ڈنگ آپ کی پشت پر مارے تھے لیکن حدیث کی عظمت کی وجہ سے انہوں نے بچھوں کے کاٹنے کو برداشت کیا۔

شعبۂ حسابات میں کی جانے والی احتیاطیں:

میں کہا کرتا ہوں کہ جس نے دارالعلوم میں رہ کر نظم ونسق اور حسنِ انتظام نہ سیکھا، اس نے دارالعلوم کی قدر نہیں پہنچانی۔ اسی طرح جس نے روپے پیسے کے معاملے میں احتیاط اور تقویٰ نہیں سیکھا، اس نے بھی دارالعلوم کی قدر نہیں کی۔ ہم متقی ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتے، ہم بہت گنہگار ہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اس بات کی کوشش بہت کرتے ہیں کہ روپے پیسے کے حسابات بالکل صاف ہوں۔ میں شعبۂ حسابات کے سربراہ کو اپنے سے ڈیڑھ گنا زیادہ تنخواہ دیتا ہوں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں اس سے کم تنخواہ پر معیاری حسابات کرنے والا نہیں ملتا، اس لیے مجبوراً ہم زیادہ تنخواہ دے کر اچھا حسابات کرنے والا ملازم رکھتے ہیں۔

مدارس میں اختلافات کی بنیادی وجہ:

ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مدرسوں کے اندر جب کبھی کہیں فتنہ پیدا ہوا ہے اور اختلافات اور جھگڑے ہوئے ہیں، پھر مدرسے یا تو تباہ ہو گئے یا ان کے دو دو تین تین ٹکڑے ہو گئے، ان میں بنیادی کردار حسابات کا تھا۔ بعض مرتبہ پیسوں میں

خورد برد ہوتی لیکن ایسے واقعات بہت کم ہوئے۔ زیادہ تر ایسا ہوا کہ حسابات کے اندر بدنظمی تھی۔ حسابات واضح نہیں تھے یعنی اس طرح نہیں تھے کہ کوئی الزام لگائے تو ثابت کیا جا سکے کہ تمہارا الزام غلط ہے۔ ہمارے پاس سارے حسابات موجود ہیں۔

ایک اہم واقعہ:

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے چند ماہ بعد ایک شخص کا میرے پاس خط آیا کہ میں نے کچھ رقم دارالعلوم کے استقبالیہ میں فلاں تاریخ کو دارالعلوم کے چندے کے لیے دی ہے۔ میرا نام فلاں ہے۔ براہِ کرم آپ مجھے یہ بتلائیں کہ وہ رقم کتنی ہے۔ اس کا رسید نمبر کیا ہے اور وہ کس مد میں درج کی گئی ہے۔ اس نے ہمارا امتحان لیا۔ رقم کی مقدار بھی نہیں لکھی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ کس مد کے لیے یہ رقم دی تھی۔ صرف نام بتایا اور تاریخ لکھی اور یہ بھی بتلایا کہ میرے پاس اس کی رسید ہے۔ میں نے اس کی معلومات کروائیں۔ ریکارڈ میں سب کچھ محفوظ تھا، ہم نے وہ سب معلومات لکھ کر بھیجیں جو اس نے پوچھی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا مسرت بھرا خط آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بڑا اطمینان ہوا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد آپ نے حسابات کو اعتماد میں رکھا ہوا ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کے خط سے بڑی خوشی ہوئی میری درخواست ہے کہ آئندہ بھی کبھی کبھی ایسا خط لکھتے رہا کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے عملے کو بتا دیتے ہیں کہ اس طرح تمہارا امتحان ہو سکتا ہے تو وہ چوکنا رہتے ہیں جس سے حسابات کا نظام درست رہتا ہے۔

دارالعلوم کو اتنا زیادہ چندہ کیوں ملتا ہے؟

بتائیے کہ اگر ہمارے پاس وہ حسابات لکھے ہوئے نہ ہوتے اگرچہ پیسہ سارا کا سارا مدرسے ہی میں خرچ ہوتا تو کیا ہم اس کو مطمئن کر سکتے تھے؟ فوراً وہ الزام

لگا تاکہ مولوی، پیسے کھا گئے۔ الحمدللہ، اب اس کے دل میں اعتماد پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دارالعلوم کا کوئی سفیر چندہ کرنے کے لیے نہیں جاتا۔ ہم اتنے ملکوں میں جاتے ہیں، جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں لیکن کہیں بھی دارالعلوم کے لیے چندے کی اپیل نہیں کرتے۔ بہت سی جگہوں پر تو دارالعلوم کا نام تک بھی نہیں لیتے، کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم چندہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح پیسہ بھیجتا ہے۔ تقریباً پچاس لاکھ روپے دارالعلوم کا ماہانہ خرچہ ہے۔ تعمیرات کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔ اتنی رقم بغیر کسی بھاگ دوڑ کے اللہ تعالیٰ یہاں پہنچا دیتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو دارالعلوم پر اعتماد ہے۔

فارغ ہونے والے طلبہ کو وصیت:

آپ میں سے بہت سے طلبہ اس سال فارغ ہوکر چلے جائیں گے تو میری وصیت یہ ہے کہ دو باتوں کا لحاظ رکھو۔ اسلامی معاشرت کا اور اسلامی معاملات کا۔ صرف یہی نہیں کہ آپ کو بدمعاملگی نہیں کرنی اور ناجائز پیسہ نہیں کھانا بلکہ اس کا ثبوت بھی اپنے پاس رکھیے کہ آپ نے کوئی پیسہ ناجائز نہیں کھایا اور وہ جبھی ہو سکے گا جب حسابات آپ کے پاس لکھے ہوئے ہوں۔

میری احتیاط:

میں جب دفتر سے گھر جاتا ہوں، اگر کوئی امانت میرے پاس ہو تو اسے جیب میں نہیں ڈالتا۔ الگ لفافے میں رکھتا ہوں۔ گھر جا کر جہاں اُسے رکھنا ہوتا ہے، وہاں پھر اس کے بارے میں لکھنا ہوتا ہے کہ یہ امانت کی رقم ہے لیکن راستے کے چند منٹ کی تاخیر برداشت نہیں کرتا کہ گھر جا کر لکھ دوں گا بلکہ ان چند منٹ کے لیے لفافے پر لکھ دیتا ہوں کہ یہ فلاں مد کی رقم ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راستے میں موت

آجائے اور لفافے کی یہ رقم میرے ورثاء کی سمجھی جائے۔ اسی طرح گھر سے دفتر آتے وقت بھی یہی احتیاط کرتا ہوں، حالانکہ گھر میں لکھا ہوتا ہے اور دفتر میں بھی لکھا ہوتا ہے۔

حسابات لکھنے کا قرآنی حکم:

میں آپ حضرات سے یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنے اکابر کو اسی طرح عمل کرتے ہوئے پایا ہے اور قرآن مجید نے حسابات لکھنے کے بارے میں پورا ایک رکوع نازل کیا ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ......... الخ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

”اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی معیادِ معین کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔“

اس سارے رکوع کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کا حق آپ کے ذمہ ہے تو وہ لکھا ہوا ہونا چاہیے۔

دارالعلوم میں عالیشان دارالاقامہ بنانے کی وجہ:

ایک اور بات یہ کہنی ہے کہ الحمد للہ، آپ کے دارالطلبہ میں اللہ تعالیٰ نے کیسا اچھا انتظام کر رکھا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی سرکاری یونیورسٹیوں میں بھی اس سے زیادہ اچھا انتظام نہیں ہوتا۔ میرے دیکھے ہوئے ہیں اور جو لوگ وہاں سے آتے ہیں، وہ بھی ہمارا انتظام دیکھ کر بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں میڈیکل کالج اور یونیورسٹیوں کے ہاسٹل بھی اس سے بہتر نہیں ہیں۔

اصل میں ہمیں اس بات کی دھن ہے کہ ہم دنیا کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ملّا بھی اچھے ادارے اور اچھی اقامت گاہیں بنا سکتا ہے۔ ملّا بھی اچھا نظم ونسق قائم کر

سکتا ہے۔ اور وہ لوگ جو دینی مدرسوں کو حقیر سمجھتے ہیں، ان کے دلوں سے حقارت نکلے اور انہیں معلوم ہو کہ ہم سے زیادہ بہتر نظام ملاّ چلا سکتے ہیں۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا اچھا دارالطلبہ دیا ہے لیکن اس کو صاف ستھرا اور منظم رکھنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر آپ حضرات اس کو گندہ رکھیں گے تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ طلبہ اس قابل نہیں ہیں کہ اعلیٰ درجے کی عمارتوں میں رہیں، انہیں تو جھونپڑیوں میں رہنا چاہیے۔

معاملات اور معاشرت کے اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ:

اور اگر آپ معاملات اور معاشرت کو سیکھ کر ان کی عادت ڈالیں گے تو انشاء اللہ، جہاں جاؤ گے لوگوں کی نظروں کا تارا بن کر رہو گے، لوگ تمہاری عزت کریں گے، ادارے تمہارے محتاج ہوں گے، تم اداروں کے محتاج نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ، امیرِ کاروان بن کر رہو گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور معاملات و معاشرت سے متعلق اسلامی احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

........❖........
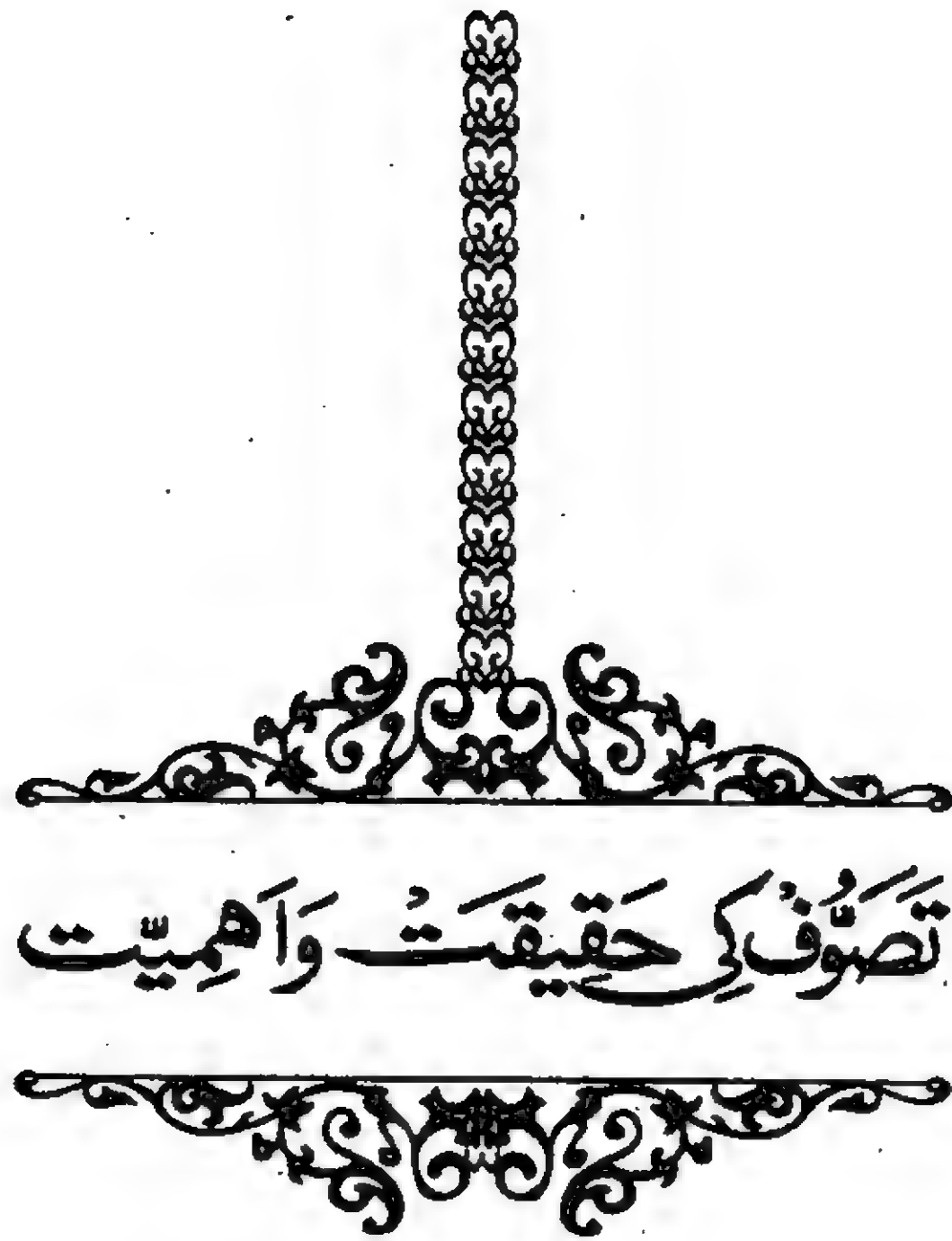
تصوف کی حقیقت و اہمیت

موضوع: تصوف کی حقیقت و اہمیت
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: کینیڈا
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی
باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿تصوف کی حقیقت و اہمیت﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰـہ اِلَّا اللّٰـہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o یٰا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ o

دو حکم:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز!

اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۃ توبہ کی ایک آیت تلاوت کی۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دو حکم دیئے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔''

یہ پہلا حکم ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ:

﴿وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ o﴾

''اور رہو سچے لوگوں کے ساتھ۔''

یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو دل کے بھی سچے ہیں اور زبان کے بھی سچے اور عمل کے بھی سچے یعنی متقی لوگ۔

تقویٰ کیا ہے؟

پہلا حکم ہے ''اللہ سے ڈرو۔'' اللہ سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے بچو، چھوٹے گناہوں سے بھی بچو اور بڑے گناہوں سے بھی بچو یعنی نافرمانی سے بچو۔ گناہوں سے بچنے کا نام ہی اللہ سے ڈرنا ہے اور اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

ہر کام کے کرنے کے وقت اور ہر بات کے بولنے کے وقت دل میں یہ خلش رہنے لگے کہ میرا یہ عمل یا میرا یہ بول اللہ کی نافرمانی تو نہیں، گناہ تو نہیں۔ جب دل میں یہ خلش پیدا ہوگئی اور اس کے نتیجے میں ہم نے اپنی زبان اور جسموں پر پہرہ لگا لیا تو یہی تقویٰ ہے۔

روزہ کو تقویٰ میں سب سے زیادہ دخل ہے:

تقویٰ کو میں ایک اور مثال کے ذریعے واضح کرتا ہوں جس سے اس کی حقیقت اور زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی آپ روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے رمضان کے روزے فرض کیے اور اس کی ایک حکمت یہ بیان فرمائی کہ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** (تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے) کیا جوڑ ہے روزے میں اور تقویٰ میں؟ جوڑ یہ ہے کہ یوں تو ہر عبادت تقویٰ کی صفت میں انسان کو مدد ملتی ہے، لیکن روزہ سے تقویٰ کی نشو ونما اور اس کی مشق زیادہ ہوتی ہے۔

مثال سمجھئے! تصور کیجئے گرمیوں کے طویل روزوں کا۔ جبکہ تقریباً اٹھارہ گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے۔ سخت گرمی ہو اور آپ ظہر کے وقت مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے۔ وضو کرنے لگے۔ پیاس زبردست لگی ہوئی ہے، لیکن آپ کوشش کرتے ہیں کہ پانی کا کوئی قطرہ حلق میں نہ جائے۔ کلی کرنے بعد بار بار تھوکتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی قطرہ حلق میں چلا گیا ہو۔ حالانکہ اگر اس وقت آپ پانی کے چند گھونٹ پی لیں تو کون دیکھے گا۔ سب آپ کو روزہ دار سمجھیں گے۔ اس موقع پر جب آپ اہتمام سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ پانی کا کوئی قطرہ حلق تک نہ جائے، یہ کوشش صرف تقویٰ اور اللہ کے خوف کی وجہ سے ہے۔

آپ غسل خانے میں تنہا ہیں، چاہیں تو خوب ڈٹ کر پانی پی لیں۔ بیوی بچوں کو بھی خبر تک نہ ہو گی لیکن نہیں پیتے کیونکہ یہ تصور ذہن میں ہے کہ جس اللہ کے لیے روزہ رکھا ہے، وہ دیکھ رہا ہے۔ اگر میں پانی پیوں گا تو میرا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزے سے تقویٰ کی مشق ہوتی ہے اور اس سے تقویٰ بڑھتا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی ہر بات بولتے وقت اور ہر کام کرتے وقت یہ سوچنے لگتا ہے کہ میرا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ حرام ہے یا حلال؟ اللہ کی رضا کے لیے ہے یا نہیں؟ اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔

تقویٰ کا محل کیا ہے؟

تقویٰ کا محل کیا ہے؟ کیا تقویٰ ہمارے ہاتھ میں ہے؟ ہمارے پاؤں میں ہے؟ یا ناک اور کان میں ہے؟ نہیں بلکہ یہ تقویٰ ہمارے جسم کے سب سے اہم حصے ''دل'' میں ہے، یہ ہمارا باطنی عمل ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کس کے دل میں تقویٰ ہے اور کس کے دل میں تقویٰ نہیں کیونکہ یہ دل کے اندر چھپا ہوا ہے۔

یہ تقویٰ ہے تو دل میں لیکن کنٹرول کرتا ہے ہماری آنکھوں کو بھی اور ہمارے کانوں کو بھی۔ ہماری زبان کو بھی اور ہمارے ہاتھوں کو بھی۔ غرضیکہ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہر قسم کے ظاہری گناہوں سے بھی بچاتا ہے اور باطنی گناہوں سے بھی حفاظت کرتا ہے۔ حسد سے بھی بچاتا ہے اور تکبر سے بھی بے حیائی سے بھی بچاتا ہے اور بدنگاہی سے بھی۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿إنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً إذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلّه وَ إذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كلّه ألاوَهِيَ الْقَلْب﴾

(بخاری و مسلم)

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ غور سے سن لو وہ ٹکڑا ''دل'' ہے۔''

جب تک دل صحیح نہ ہو، برائیوں سے نہیں بچ سکتے:

درحقیقت دل کی اصلاح بنیاد ہے ہمارے سارے اعمال کے اصلاح کی۔ گناہوں سے بچنے کی بھی اور فرائض کو ادا کرنے کی بھی۔ جب تک دل کی اصلاح نہیں ہوگی اس وقت تک ہمارے ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے اور باطنی

اعمال میں درستگی نہیں ہو گی۔ ہماری زبانوں سے گالیاں نکلتی رہیں گی، دوسروں کی غیبت ہوتی رہے گی، دوسروں کی دل آزادی ہوتی رہے گی، دوسروں پر تہمت لگاتے رہیں گے، ناجائز گانے سنتے رہیں گے، نامحرموں کو دیکھتے رہیں گے، حرام اور سود کا مال کھاتے رہیں گے، تجارت میں دھوکہ کرتے رہیں گے، بیوی بچوں کے ساتھ بھی نا انصافیاں کرتے رہیں گے، پڑوسیوں کے حقوق کو بھی پامال کرتے رہیں گے۔ جب تک دل صحیح نہیں ہوگا، اس وقت ان برائیوں سے نہیں بچ سکیں گے۔

''احسان'' کسے کہتے ہیں؟

دل کی اصلاح کا نام قرآن وسنت میں ''احسان'' ہے۔ اگر ہمارا دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے، آخرت کے خوف سے، جنت کے شوق سے، عجز وانکساری سے، قناعت اور حیا سے بھرا ہوگا تو اس کو کہتے ہیں ''احسان'' اور اگر دل میں بیماریاں ہوں، حسد ہو، تکبر ہو، اللہ سے بے خوفی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی عظمت دل میں نہ ہو، قناعت کی بجائے طمع وحرص ہو تو ایسا دل ''احسان'' سے خالی ہے۔

نبوت کے آخری دور میں جبرئیل امین کے حاضر ہونے کی وجہ:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا زمانہ جب قریب آیا تو اس وقت آپ کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہوئے تئیس سال ہو چکے تھے۔ اسلام کی تکمیل کا اعلان ہو چکا تھا۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ:۳)

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔''

اس اعلان کا حاصل یہ تھا کہ اب دین مکمل ہو گیا۔ اس دین کی جو تفصیلات آپ نے بتائیں وہ تئیس سالہ تعلیم پر مشتمل تھیں۔ اللہ نے چاہا کہ ان تمام تعلیمات کا خلاصہ ایک مجلس میں دو تین جملوں میں امت کے سامنے آجائے۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ جبرئیل امین علیہ السلام کو حضور ﷺ کی مجلس میں بھیجا۔ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ جبرئیل امین انسانی شکل میں حاضر ہوئے اور عجیب وغریب اور ڈرامائی انداز اختیار کیا تاکہ تمام حاضرین کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہو جائے۔ اس کی تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں۔ آپ کے اس انداز سے جب صحابہ کرامؓ کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہوگئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ایمان کی تشریح فرمادی پھر انہوں نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے اسلام کی تشریح فرمادی۔ پھر سوال کیا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے احسان کی بھی تشریح فرمادی۔ جب وہ چلے گئے تو بعد میں رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ یہ جبرئیل امین تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو پیچھے بھیجا کہ انہیں بلاؤ مگر وہ غائب ہو چکے تھے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جبرئیل امین تمہارے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھلائیں۔

دین کا خلاصہ:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تین چیزیں جن کے بارے میں جبرئیل امین نے سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی، یہ پورے دین کا لب لباب اور خلاصہ ہیں۔

(۱) ایمان جو دل میں ہوتا ہے۔

(۲) اسلام جو ہمارے ظاہری اعمال کا مجموعہ ہے۔

(۳) احسان جس کا مرکز ہمارا قلب ہے۔

قرآن وسنت کی اصطلاح میں جسے احسان کہا گیا ہے، بعد کے زمانے میں علماء نے اس کا نام ''تصوف'' اور ''طریقت'' رکھ دیا لوگوں کے عرف کی وجہ۔

تصوف کی حقیقت:

احسان یعنی تصوف کی حقیقت دل کے گناہوں سے بچنا اور دل کے فرائض کو انجام دینا ہے یعنی باطن کے گناہوں سے بچنا اور باطن کے فرائض کو انجام دینا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت سے ظاہری اعمال فرض کیے جیسے نماز ظاہری عمل ہے، نظر آتا ہے، زکوٰۃ یہ بھی نظر آنے والا عمل ہے۔ روزہ کسی نہ کسی درجے میں ظاہری ہے کہ آدمی کھاتا ہوا نظر آتا ہے، سحری و افطاری کے وقت کھاتا ہے۔ حج، جہاد، تبلیغ، ذکر، تلاوت، دعا وغیرہ یہ سب ظاہری اعمال ہیں۔ ان ظاہری اعمال میں کچھ فرائض ہیں، کچھ واجبات ہیں، کچھ سنن ہیں اور کچھ مستحبات ہیں، اس کے برعکس بعض حرام اور ناجائز ہیں جیسے شراب پینا، دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، سود کھانا وغیرہ۔ ان سے بچنا لازم ہے۔

تو جس طرح ظاہری اعمال میں سے بہت سے اعمال حرام ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے باطنی اعمال میں سے بھی بہت سے اعمال کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسے تکبر حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا'' حسد یعنی دوسروں کے مال و دولت اور عزت پر جلنا حرام ہے۔ اسی طرح حرص اور طمع بھی حرام ہے۔

اور جس طرح بہت سے ظاہری اعمال فرض ہیں۔ اسی طرح باطن میں بھی بہت سے اعمال فرض ہیں مثلاً توکل، یہ دل کا عمل ہے اور ایک درجے میں فرض و واجب ہے۔ قناعت یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر راضی ہو جانا۔ قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ مزید کی کوشش نہ کرے۔ جائز حدود میں اللہ پر بھروسہ کر کے کوشش کرے لیکن اگر نہ ملے تو اس پر دل پریشان نہ ہو۔ اس کا نام قناعت ہے۔ یہ بھی دل

کا عمل ہے اور ضروری ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ضرورت کے مطابق کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان ہو اور اسے قناعت بھی مل جائے۔ وہ دنیا کا سب سے بڑا مالدار انسان ہے، جبکہ وہ کروڑ پتی انسان جس کے واپس مال و دولت کے ڈھیر ہیں لیکن قناعت نہیں ملی تو وہ فقیر ہے۔

قرآن مجید میں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الاِثْمِ وَ بَاطِنَهُ﴾ (الانعام: ۱۲۰)

''اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح کا گناہ ترک کردو۔''

معلوم ہوا کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں سے اجتناب نہ کرے۔ باطنی گناہوں سے بچنے کا نام احسان اور تصوف ہے۔

تعویذ گنڈے اور کشف و کرامات کا ظہور بزرگ ہونے کے لیے ضروری نہیں:

آج کل تو لوگوں نے تصوف کو عجیب چیز سمجھ لیا ہے۔ کوئی تعویذ گنڈے کو تصوف سمجھتا ہے اور تعویذ گنڈے والوں کو ''پیر'' کہتا ہے چاہے ان کی زندگی شریعت کے خلاف ہو، حلال و حرام کی تمیز نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ وہ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، اس لیے وہ پیر صاحب ہیں۔

بعض لوگوں نے ''کشف و کرامت'' کا نام تصوف رکھ لیا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہواؤں میں اڑتے ہیں، وہ اللہ والے ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان کے مرید تھے۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے لیکن ان کی بیوی ان کی معتقد نہیں تھی۔ عام طور پر بیویاں اپنے شوہر کی معتقد نہیں ہوتیں۔ بیوی کہتی تھی کہ تو جھوٹا پیر ہے لوگ ایسے ہی تمہارے معتقد ہو گئے۔

ایک روز کہنے لگے کہ اللہ والے تو ہوا میں اڑتے ہیں۔ کل میں نے دیکھا تھا، ایک اللہ والا ہوا میں اڑتا ہوا جا رہا تھا۔ بزرگ نے جواب میں کہا: بی بی! تم نے غور سے نہیں دیکھا، وہ اڑنے والا شخص میں ہی تو تھا۔ کہنے لگی: اچھا تم تھے، جبھی تو ٹیڑھے ٹیڑھے ہو رہے تھے۔ اس بیچاری نے یوں سمجھ رکھا تھا کہ اللہ والا وہ ہوتا ہے جو ہواؤں میں اڑے، اس سے کشف و کرامت کا ظہور ہو۔

خوب سمجھ لیجئے! اللہ والا ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس سے کشف و کرامات کا ظہور ہو۔ بعض اوقات عجیب و غریب کارنامے تو سائنس دان بھی انجام دے دیتے ہیں اور بعض اوقات کوئی جادوگر بھی کوئی بڑے سے بڑا کرشمہ دکھا دیتا ہے تو وہ کیا وہ اللہ والے ہو گئے۔

سب سے بڑی کرامت اتباع سنت ہے:

ایک صاحب بیعت کرنے کی غرض سے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔ مرید ہو گئے اور اس کے بعد دس سال ان کی خدمت میں رہے۔ وہ یوں سمجھ کر گئے تھے کہ بڑے درجے کے اللہ والے ہیں تو ان کے ہاں کشف و کرامت کا ظہور ہوتا ہو گا۔ غیب کی باتیں بتاتے ہوں گے، کچھ عجیب و غریب واقعات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہوں گے لیکن دس سال کے عرصے میں کوئی بھی کشف و کرامت ان کے سامنے نہ آئی۔ دل میں خیال آیا کہ شیخ سے اس کے بارے میں عرض کروں۔

تصوف کے آداب میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ دل میں جو کوئی کھٹک اور شبہ پیدا ہو، اسے اپنے شیخ اور پیر سے ذکر کرے تاکہ اگر کوئی غلط بات ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ یہ سچے مرید تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اللہ والے بڑے کشف و کرامت والے ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے دس سال کے عرصے میں آپ سے کوئی کشف و کرامت نہیں دیکھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا: یہ بتاؤ کہ دس سال کے عرصے میں تم نے میرا کوئی عمل سنت کے خلاف دیکھا۔

وہ مرید غور کر کے کہنے لگے کہ میں نے آپ کا کوئی عمل سنت کے خلاف نہیں دیکھا۔ فرمایا ہے کہ اس سے بڑی کرامت اور کیا ہے؟ انسان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ بن جائے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیروکار ہو جائے۔

تصوف کے نام پر دھوکہ:

آج ہندو پاک میں ایسے بھی نام نہاد صوفی موجود ہیں، جن کا کوئی باپ دادا اللہ والا تھا۔ وہ واقعی اللہ والا تھا لیکن بعد میں جانشینی کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کو وراثت میں ''پیری'' مل گئی۔ یہ پیر صاحب داڑھی بھی منڈاتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ شریعت والوں کا کام ہے نماز پڑھنا۔ ہم تو طریقت والے ہیں، ہمارا دل نماز پڑھتا ہے۔

لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنی دنیا کمانے کے لیے انہوں نے اسلام کے اندر چوری اور ڈکیتی کی ہے، طریقت اور تصوف کے نام پر لوگوں کا ایمان لوٹتے ہیں۔

قوالی کے شوقین پیر:

ہندو پاک میں ایسے صوفی بھی نظر آئیں گے جو نماز تو پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر قوالی بڑے شوق اور پابندی سے روزانہ سنتے ہیں اور عورت سے بیعت لیتے ہیں تو ہاتھ لے کر بیعت لیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی نامحرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا۔ اور یہ نام نہاد پیر عورتوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈال کر بیعت لیتے ہیں اور قوالیاں بھی ڈٹ کر سنتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی نے ایسے لوگوں کے بارے میں خوب کہا کہ:

با ادب بن کر رہو تو قوم کی گالی سنو
بے ادب بن کر رہو تو طعنۂ حالی سنو
بس پیر بن کر بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

تصوف کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کیوں ہوئی؟

جب لوگوں نے قوالیوں اور کشف و کرامات کا نام تصوف رکھا اور جاہل صوفیوں نے اس طرح کی ڈھکوسلے بازی کی تو بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسی کا نام تصوف ہے چنانچہ وہ کہنے لگے کہ تصوف گمراہی ہے اور قرآن وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ دین میں اضافہ اور تحریف ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں دین کا حصہ نہیں لیکن انہیں تصوف کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ تصوف نام ہے ''احسان'' کا یعنی باطن کی اصلاح کرنے کا۔ اور اس سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے کا حکم دیا، تقویٰ کا کتنی جگہ حکم دیا، قناعت کا کتنی جگہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا۔ توکل کا کتنی جگہ حکم آیا۔ تکبر، حسد اور غیبت سے بچنے کی کتنی جگہ تاکید آئی۔ انہی گناہوں سے بچنے کا نام ''تصوف'' ہے۔

باطن ٹھیک ہو تو ظاہر بھی ٹھیک ہو جاتا ہے:

اور جب انسان کا باطن ٹھیک ہو جاتا ہے تو ظاہری اعمال بھی خود بخود ٹھیک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ رحمدلانہ ہوتا ہے، بیوی کے ساتھ رویہ رفیقانہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے ہیں۔ پاس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی ہیں تو اٹھتے وقت احتیاط فرماتے ہیں کہ کہیں عائشہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ پائنتی کی طرف سے اٹھتے ہیں، آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چلتے ہیں، آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا، آہستہ سے

دروازہ بند کیا۔ یہ سب کیوں کیا؟ تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔

صحبت کے اثرات:

تو جب باطن صحیح ہو جاتا ہے تو اس کا لوگوں کے ساتھ رویہ محبت کا اور شائستہ ہوتا ہے لیکن جب باطن خراب ہو تو پھر ظالمانہ رویہ ہوتا ہے۔ تجارت میں دھوکہ دہی چلتی ہے، حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ باطن کی اصلاح کس قدر ضروری ہے۔ اس کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید کا ایک خاص حکیمانہ اسلوب ہے کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہے جو حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ وہ یہ کہ قرآن صرف حکم نہیں دیتا بلکہ حکمت کے ساتھ حکم دیتے ہیں۔ حکم دیتے ہیں تو اس پر عمل کرنے کو آسان بنانے کا طریقہ بھی ساتھ بتاتے ہیں۔ جہاں کوئی ایسا حکم دیا جاتا ہے کہ جس میں بظاہر کوئی مشکل نظر آتی ہے تو وہاں ساتھ دوسرا حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کام کرلو۔ چنانچہ جو آیت میں نے خطبہ میں تلاوت کی، وہاں یہی ہوا۔

سب سے پہلے حکم ہوا کہ ''تقویٰ'' اختیار کرو۔

اور تقویٰ، جیسا کہ آپ نے ابھی سنا، اچھا خاصا مشکل کام ہے کہ ہر وقت زبان، کان، آنکھ اور دل پر پہرہ بٹھاؤ کہ کوئی گناہ نہ ہو جائے۔ چونکہ یہ مشکل کام تھا تو قرآن نے اپنی عادت کے مطابق ایک دوسرا حکم دیا۔ وہ یہ کہ:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔''

''سچے لوگوں'' سے مراد متقی لوگ ہیں۔ جب ایسے لوگوں کے ساتھ رہو گے، رفتہ رفتہ تمہارے اندر بھی تقویٰ پیدا ہو جائے گا۔ مثل مشہور ہے کہ ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' خربوزہ دوسرے خربوزے سے رنگ پکڑے یا نہ پکڑے،

ایک انسان دوسرے انسان سے ضرور رنگ پکڑتا ہے اور غیر محسوس انداز سے دوسرے انسان کا اثر لیتا ہے۔ انسان جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے، وہ اگرچہ اسے یاد نہ رہے لیکن وہ اس کے تحت الشعور میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

جو حضرات مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے ہیں، وہ جانتے ہوں گے کہ یہاں نماز پڑھنے میں اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے درمیان کتنا فرق ہے۔ اسی اللہ کی نماز یہاں پڑھتے ہیں، اسی اللہ کی نماز وہاں پڑھ رہے ہیں۔ فرق کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کا فرق ہے وہاں سے ایمان، اخلاص، تقویٰ، احسان اور صدق کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور قلب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اسی طرح جب سچوں کے ساتھ رہو گے تو ان کے دلوں سے بھی سچائی اور اخلاص کی شعاعیں نکلیں گی جو تم پر اثر انداز ہوں گی۔

تقویٰ کے اثرات:

اور جب تمہارے دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا تو تم لوگوں پر سختی نہیں کر سکو گے۔ اگر کوئی تم پر سختی کرے گا تو سختی کا جواب سختی سے نہیں دو گے، اگر کرو گے تو اتنی ہی کرو گے، جتنی اس نے کی ہے۔ اس سے زیادہ کی اجازت بھی نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔''

جس نے تمہارے ساتھ برائی کی، تم بھی اتنی ہی برائی اس کے ساتھ کر سکتے ہو۔

ملا نصیر الدین کا ایک لطیفہ:

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ملا نصیر الدین کے لطیفے بہت مشہور ہیں۔ بڑے حاضر

جواب تھے۔ ایک مرتبہ گھر میں تیسری منزل پر کھڑے تھے۔ نیچے سے ایک آدمی نے آواز دی۔ وہ شخص بھکاری تھا لیکن اس نے اپنا بھکاری ہونا ظاہر نہیں کیا۔ ملا جی اس کے کہنے پر اتر آئے اور آ کر کہا: کیا بات ہے۔ کہنے لگا: اللہ کے نام کچھ دے دیجئے۔ ملا صاحب نے جواب میں کہا کہ اچھا اوپر آ جاؤ۔ وہ سمجھا کہ شاید اوپر لے کر کچھ دینا چاہتے ہیں۔ ساتھ چل پڑا۔ جب تیسری منزل پر پہنچ گئے تو کہا: ''معاف کر دو۔'' تو جیسی برائی اس نے کی، اتنی ہی ملا صاحب نے کر لی۔ یہاں تک تو اجازت ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔

اللہ والے کہاں ہیں؟

یہاں ایک سوال آپ کے ذہنوں میں بار بار پیدا ہو رہا ہو گا کہ آج کل اللہ والے کہاں ہیں؟ اس گئی گزری دنیا میں اللہ والے کہاں سے لائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والے آج بھی موجود ہیں البتہ شاہ عبدالقادر جیلانی جیسے اولیاء اللہ آج نہ پیدا ہوتے ہیں اور نہ ملیں گے۔ آج اولیاء اللہ بھی ایسے ہوں گے کہ'' جیسے روح ویسے فرشتے'' الحمدللہ، آج بھی اولیاء اللہ موجود ہیں اگرچہ کم ہیں۔ ان سے اصلاحی تعلق قائم کیا جا سکتا ہے، ان کی خدمت میں حاضری دی جا سکتی ہے اور ان سے خط و کتابت کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اگر اللہ والے نہ ملیں تو.................

اس کے علاوہ یہاں رہتے ہوئے اس کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ جو شخص دینی اعتبار سے اپنے سے بہتر ہو، اس کے ساتھ تعلقات قائم کرو۔ اگر خدانخواستہ آپ پانچ وقت کی نماز کے پابند نہیں اور ایک دوسرا شخص پانچ وقت کا پابند ہے تو اس سے تعلقات قائم کیجئے، اس سے آپ بھی نماز کے پابند ہو جائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص آپ سے دینی اعتبار سے بہتر ہے، اس سے دوستیاں

قائم کیجئے۔ باہر سے اللہ والے آئیں تو ان کی خدمت میں جا کر بیٹھئے، اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایئے۔ مجھے بار بار محسوس ہوتا تھا کہ جب میں اپنے والد ماجد کے برابر میں نماز پڑھتا تھا تو میری کیفیت کچھ اور ہوتی تھی اور جب الگ پڑھتا تھا تو کچھ اور کیفیت ہوتی تھی۔

بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کا بھی فائدہ ہوتا ہے خواہ ان سے کوئی سوال نہ پوچھے اور وہ بھی کچھ نہ بتائیں۔ صرف بیٹھنے سے اور ان کو دیکھنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

اور اگر بزرگوں کی صحبت میسر نہ ہو تو جو شخص نسبتاً دین کے اعتبار سے بہتر ہو، اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور میل جول رکھنا بھی مفید ہے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم نصیحت:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری زمانے میں سارے خاندان کو جمع کر کے کئی وصیتیں فرمائی تھیں۔ ایک وصیت یہ کی تھی کہ جب تم شادی بیاہ کرنے لگو تو جہاں اور چیزیں دیکھتے ہو مثلاً وہ تندرست ہے یا نہیں، تعلیم یافتہ ہے یا نہیں، مال و دولت اس کے پاس اتنا ہے کہ وہ بیوی کا خرچہ آسانی سے اٹھا سکتا ہے یا نہیں۔ جب یہ چیزیں دیکھتے ہو تو ان سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کے اندر اللہ کا خوف کتنا ہے؟ اس کی زندگی میں دین کتنا ہے؟

رشتے کرتے وقت دینداری کا لحاظ نہ کیا گیا تو ....

اگر آپ کا سارا گھرانہ دیندار ہے لیکن آپ کوئی بہو بے دین لے آئے، جو نماز نہیں پڑھتی، جو شرم و حیا کی پابند نہیں، فلمیں دیکھنے کی شوقین ہے، وہ آپ کے گھر کا سارا ماحول برباد کر ڈالے گی۔ اسی طرح اگر آپ گھر میں ایسا داماد لے آئے جس کو نماز، روزہ اور حلال و حرام کی تمیز نہیں تو اس کے آنے سے آپ کے خاندان

کے اندر زمین و آسمان کا فرق پڑ جائیگا۔

میرے رشتے داروں میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ بعض بڑے دیندار گھرانے تھے اور ان کا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خاندان سے خاص ربط تھا۔ عورت اور مرد سب کے سب دین کے پکے۔ انہوں نے اپنی شادی ایک امیر خاندان کے لڑکے سے کر دی جسے حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں تھی، نماز، روزہ کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس ایک آدمی نے پورے خاندان کا ستیاناس کر ڈالا۔ آج اس گھر کے اندر پردہ نہیں رہا، ٹی وی، وی سی آر اور نجانے کیا کیا خرافات آ گئی ہیں۔

لہٰذا رشتہ داریاں کرتے وقت یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر دین کتنا ہے۔ اگر یہ نہ دیکھا گیا تو اپنے گھر کو گناہوں سے نہیں بچا سکو گے۔

انگلینڈ کے مسلمانوں کا ایک اچھا اقدام:

انگلینڈ کے اندر میں نے ایک بات دیکھی جو پسند آئی۔ آج سے تقریباً پندرہ بیس سال پہلے وہاں اکا دکا مسلمان تھے۔ کوئی ایک محلے، کوئی دوسرے محلے میں، کوئی چوتھے محلے میں حتیٰ کہ دس دس پندرہ پندرہ میل کے فاصلے پر بھی تھے۔ لیکن اب کی بار میں جب وہاں گیا تو وہاں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسلمانوں نے پورے محلے کے محلے آباد کر لیے۔ ان محلوں میں ہوتے ہوئے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ انگلینڈ میں گھوم رہے ہیں یا پاکستان میں گھوم رہے ہیں۔

انہوں نے یہ کام کیا کہ ایک مسجد بنائی۔ مسجد کے ساتھ مدرسہ بنایا اور وہیں اپنے گھر لے لیے۔ جس سے ان کا پورا اسلامی کلچر محفوظ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب گھر کا کوئی لڑکا یا لڑکی باہر نکلے تو آسانی سے اس پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا کیونکہ سارا محلّہ مسلمانوں کا ہے۔ اور یہاں آپ کے ہاں گھر سے نکلنے کے بعد لڑکا اور لڑکی آزاد ہیں، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کے مکان دور دور ہیں آپ حضرات ابتدائی دور سے گزر رہے ہیں۔ آپ بھی یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں

کے گھر آس پاس ہوں، مسلمانوں کے اپنے محلے آباد ہوں۔

ایک ساتھ رہنے کا ایک اہم فائدہ:

ایک ساتھ متحد ہو کر رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ آپ اپنے ووٹ کی قوت کو اپنے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال کر سکیں گے۔ آج آپ کا ووٹ بکھرا ہوا ہے۔ جب آپ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں گے تو آپ کا ووٹ طاقتور ہو جائے گا۔ جو انتخاب لڑے گا، وہ آپ کے ووٹوں سے کامیاب ہو گا۔ یہ تو ایک سیاسی فائدہ ہے اور دینی فائدہ یہ حاصل ہو گا کہ اپنے اپنے دینی اقدار کا تحفظ کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ یہاں کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائیں اور دنیا کے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

مغربی دنیا میں رہتے ہوئے دین پر عمل کیسے ہو؟

آخر میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ گذشتہ کل ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ ہمیں کوئی ایسا نسخہ بتا دیجئے کہ ہمارے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ تو ہمارے پاس اپنا تو کچھ ہے نہیں، جو کچھ ہے ہمارے بزرگوں کا دیا ہوا ہے۔ ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نسخہ ہمیں دیا وہ نسخہ چار اعمال کا مجموعہ ہے، جن میں نہ وقت خرچ ہوتا ہے، نہ محنت خرچ ہوتی ہے اور نہ پیسہ خرچ ہوتا ہے اور عمل اتنے زبردست ہیں کہ شریعت و طریقت کی روح ہیں۔ آدمی اگر ان پر عمل کرتا جائے تو شریعت میں بھی ترقی ہوتی ہے اور طریقت میں بھی ترقی ہوتی ہے، ظاہر میں بھی ترقی ہوتی ہے اور باطن میں بھی ترقی ہوتی ہے، دین میں بھی ترقی ہوتی ہے اور دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ صحت، عزت اور مال و دولت میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا جاتا ہے۔

آج میں انہی کے متعلق عرض کرنا چاہتا تھا لیکن بات دوسرے موضوع پر چل پڑی۔ خیر، یہ موضوع بھی ضروری تھا کیونکہ لوگ آج کل تصوف سے واقف نہیں، جس کی وجہ سے تصوف کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ الحمدللہ، اس موضوع پر بقدر ضرورت بات ہوگئی۔ انشاء اللہ ان چار اعمال کے متعلق کل کے بیان میں تفصیلی بات کروں گا۔ آج اجمالی طور پر صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ وہ چار اعمال یہ ہیں۔

(۱) شکر (۲) صبر

(۳) استعاذہ (۴) استغفار

ان پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی طبیعت کے موافق کوئی چیز سامنے آئے، اس پر الحمدللہ کہہ دیں، اور جب طبیعت کے مخالف کوئی بات سامنے آئے تو اناللہ وانا الیہ راجعون کہہ دیں۔ اور مستقبل کے بارے میں جب کوئی خطرہ یا اندیشہ لاحق ہوتو ''اعوذ باللہ'' کہہ دیں اور جب ماضی کا کوئی گناہ یاد آئے یا گناہ کا خیال پیدا ہوتو استغفر اللہ کہہ دیں۔

ان اعمال پر آپ کی کچھ بھی محنت اور وقت خرچ نہیں ہوگا، لیکن ان کی عادت بنانے سے آپ کو ڈھیروں فائدے حاصل ہوں گے، جن کی تفصیل کل کے بیان میں عرض کروں گا، انشاء اللہ۔

آج جو کچھ سنا، سنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین

........❖........
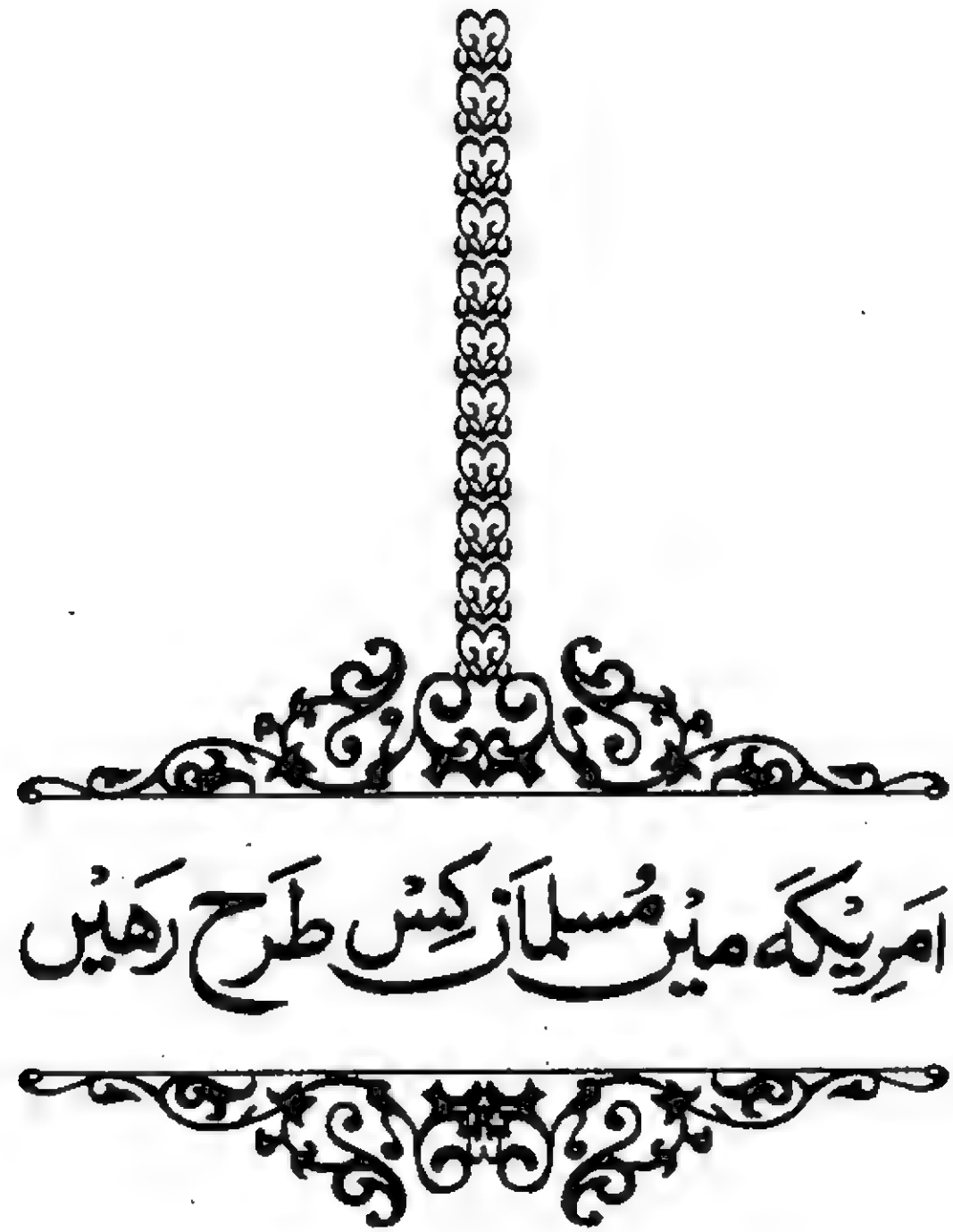
امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں

موضوع: امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں؟
بیان: محمد رفیع عثمانی
مقام: دارالہدیٰ، اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن - امریکہ
تاریخ: ۳۰ ستمبر ۲۰۰۳ء
باہتمام: محمد ناظم اشرف

امریکہ میں مسلمان کس طرح رہیں؟

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ، الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و نبینا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و اصحابہ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ○

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم ارشاد:

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز اور محترم خواتین، میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

ہمارے بزرگوں نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ فرمائشی تقریریں نہ کی جائیں اور رسمی تقریروں سے بھی اجتناب کیا جائے، میرے مرشد، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ بار بار مجھے یہی تاکید فرماتے تھے کہ فرمائشی تقریریں اور رسمی وعظ نہ کرنا، جہاں درد ہو وہاں دوا رکھنا اور جہاں زخم ہو وہاں مرہم لگانا۔

میرے مرشدؒ کے اس ارشاد نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کردی ہے کہ جب کہیں میرا خطاب ہو تو خطاب سے پہلے اپنی بساط کی حد تک یہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ اس اجتماع میں کس بات کی زیادہ ضرورت ہے؟

تقریر کا موضوع:

اپنی فکر اور سوچ کی حد تک جو بات آپ حضرات کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے مطابق میں نے قرآن کریم کی آیت تلاوت کی ہے، یہ سورۂ تحریم کی آیت ہے، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾

''اے ایمان والو! بچاؤ تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے یعنی جہنم کی آگ سے''

اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب ہے، مسلمانوں سے خطاب ہے، مجھ سے اور آپ سے خطاب ہے کہ جہنم کی آگ سے تم اپنے آپ کو بھی بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی بچاؤ۔

جہنم کی آگ:

آگے اس آگ کی تفصیل ہے کہ وہ آگ کیسی ہے؟ ظاہر ہے دنیا کی آگ

جیسی تو ہے نہیں بلکہ وہ بہت ہی خوفناک آگ ہے جس کی کچھ تفصیل یہ ارشاد فرمائی کہ:

﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

اس آگ کا ایندھن پٹرول، لکڑی اور کوئلہ وغیرہ نہیں بلکہ

''اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

جہنم کی آگ ایسی خطرناک ہے کہ دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کی آگ سے پناہ میں رکھے۔

جہنم کی آگ پر مقرر فرشتے:

آگے اس پر مقرر پہریداروں کا بیان ہے۔

﴿عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾

''کہ اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو سخت ہیں اور سخت مزاج ہیں کہ مجرموں پر ان کو رحم نہیں آتا۔''

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾

''وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کرتے۔''

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ان کی خوشامد کر کے، ان تک سفارش پہنچا کر یا ان کو کوئی رشوت وغیرہ دے کر ان سے چھوٹ جائیں۔

﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾

''جس کام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو کر کے چھوڑتے ہیں۔''

یعنی انسانوں کو جہنم میں ڈالنے کا یا جہنم میں پڑے رہنے دینے کا ان کو جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتے، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے جہنم کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ان سے چھوٹ نہیں سکتا۔

دنیا میں بے مثال زندگی گزارنے والا آدمی:

ایک روایت میں آتا ہے کہ میدانِ حساب میں اعلان ہوگا کہ جس شخص نے دنیا میں سب سے زیادہ راحت و آرام اور سب سے زیادہ خوشیوں کی زندگی گزاری ہو اس کو پیش کیا جائے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسانوں میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ آرام و راحت اور خوشیوں کی زندگی گزاری ہوگی اس کو پیش کیا جائے گا، اندازہ کیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے انسان کھربوں کی تعداد میں ہیں تو اس شخص نے کتنے آرام و راحت کی زندگی گزاری ہوگی، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ اس کو جہنم کی فضا میں ایک ڈوبا دے کر لاؤ، وہاں چھوڑو نہیں، اس میں ڈالو بھی نہیں، صرف جہنم میں ایک ڈوبا دے کر اسی سیکنڈ میں نکال لاؤ، چنانچہ ملائکہ ایسے ہی کریں گے پھر اللہ تعالیٰ اس شخص سے پوچھیں گے تم نے دنیا میں کیسی زندگی گزاری تھی؟ وہ کہے گا کہ یا اللہ دنیا کی زندگی تو مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہی میں تو ایک ایسی خوفناک فضا سے ہو کر آرہا ہوں کہ اس کے بعد اب مجھے کوئی خوشی یاد نہیں، اس فضا سے ایسا زہر میرے رگ و پے میں سما گیا ہے کہ اب میں کسی خوشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

ہمارا فریضہ:

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب مجھ سے اور آپ سے یعنی سب مسلمانوں سے ہے کہ اے ایمان والو! جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو بچاؤ، یہ حکم تو ہر جگہ آیا ہے کہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، لیکن یہاں فرمایا گیا کہ اپنے آپ کو بچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے اور اپنے بال بچوں کو بچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے یہ بھی تمہارا ایک فریضہ ہے، خود اگر تم نے اپنا ایمان برقرار رکھا، نمازوں کی پابندی بھی کرلی، روزے بھی رکھ لیے، حج اگر فرض تھا تو

وہ بھی ادا کر لیا، زکوٰۃ اگر فرض ہوئی تو وہ بھی ادا کر دی اور جو واجبات ہیں سب ادا کرتے رہے، گناہوں سے بھی بچتے رہے لیکن اگر اپنے بیوی بچوں کے ایمان اور دین کی حفاظت کی تم نے کوئی کوشش نہیں کی یا جتنی کوشش کر سکتے تھے اتنی کوشش نہیں کی، ان کے دین و ایمان کو بچانے کے لیے اپنی قدرت کو استعمال نہیں کیا یا جتنا استعمال کر سکتے تھے اتنا استعمال نہیں کیا تو تمہارا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

جس طرح دنیا میں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اگر ہمارا بچہ چولہے کی طرف جا رہا ہو تو اس کو چولہے کی طرف جانے سے روکیں، کوئی مضر صحت چیز کھانا چاہ رہا ہو تو اس کو وہ کھانے نہ دیں، جو کچھ اس کی جان کی حفاظت ہم کر سکتے ہیں ہمیں کرنی ہے اسی طرح جو لوگ گھر میں ہمارے زیر کفالت یا زیر سرپرستی ہیں ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کی اتنی تدبیریں اختیار کرنا جو ہمارے لیے ممکن ہیں ہماری ذمہ داری اور ہمارا فریضہ ہے، یہ قرآن کریم کا ایک بہت اہم حکم ہے۔

مغربی دنیا کی صورتحال:

خاص طور سے ہمارے وہ بہن بھائی جو اس مغربی دنیا میں آ کر آباد ہوئے ہیں خواہ یورپ میں ہوں یا امریکہ میں یا کسی اور غیر مسلم ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کی طرف قرآنِ کریم نے توجہ دلائی ہے۔

مغرب کی صورتحال یہ ہے کہ یہاں تیس سال پہلے حالات کچھ اور تھے اب الحمدللہ حالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی ہے، پہلے یہاں (مغربی ممالک میں) جو مسلمان لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے لیے یا افسران ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے آتے تھے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے بھی شرماتے تھے چنانچہ وہ یہیں کے لوگوں کے رنگ میں رنگ جاتے تھے، لیکن اب وہ فضا نہیں ہے، مسلمان یہاں دوسری قوموں سے اپنے آپ کو منوا رہے ہیں، اپنا تشخص تسلیم کروا رہے ہیں، الحمدللہ!

آج تاجر بھی اپنے ہاں یہ بورڈ لگانے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہمارے ہاں کھانا حلال ہے، گوشت حلال ہے اور اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا ہوا ہے، بڑی بڑی کمپنیاں اپنی پیداوار کے پیکٹوں پر یہ لکھنے پر مجبور ہوگئی ہیں کہ اس کے اندر حیوانی اجزاءنہیں ہیں وغیرہ وغیرہ۔

الحمدللہ! یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنا وجود تسلیم کروالیا ہے، مسلمان مسجدیں بھی بنوا رہے ہیں، مدرسے بھی بنا رہے ہیں، قرآنی مکاتب بھی کھول رہے ہیں، انگلینڈ کے مسلمانوں نے تو بہت کام کیا ہے یہاں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے، یہاں حالات امید افزا تو ضرور ہیں مگر خطرناک بھی ہیں۔

مغرب میں ہماری نئی نسل کے مسائل:

مغرب میں ہماری جو نسلیں پل کر جوان ہو رہی ہیں وہ ایک بہت بڑا مسئلہ لے کر جوان ہو رہی ہیں جو یہاں کے حضرات کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے اس چیلنج کی طرف توجہ دلائی ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ کفرستان ہے یہاں فسق و فجور کا دور دورہ ہے، یہاں نظروں کو، کانوں کو، ہاتھوں کو، پاؤں کو اور دل و دماغ کو گناہوں سے بچانا آسان نہیں، حتیٰ کہ یہاں ایمان کو بچانا بھی آسان نہیں، یہاں آپ بہت مشکل دور سے گزر رہے ہیں اور یہاں آکر آپ حضرات نے اپنی بیوی بچوں کو بہت خطرے میں ڈال دیا ہے۔

ہمارے بہت سے قریبی رشتہ دار بھی یہاں آئے ہیں، ہمارے بہت خاص دوست بھی یہاں آئے ہیں جب وہ یہاں آئے تو ان کے سامنے بہت دور تک کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ معمولی مسئلہ تھا کہ کوئی اچھی جاب مل جائے، رہنے کی کوئی معقول جگہ ہو جائے، اس کے بعد پھر شادی کرنی ہے اور پھر بچے ہو جائیں گے، یہاں تک تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا لیکن جب بچے بڑے ہونے شروع ہوئے تو مسائل سامنے آنے لگ گئے، ان کے رشتوں اور شادیوں کے مسائل بھی ہیں اور مستقبل میں ان

کے دین و ایمان کی حفاظت کے مسائل بھی ہیں۔

جہاں دین پر عمل ممکن نہ ہو وہاں رہنا جائز نہیں:

یہاں رہ کر اگر ہم اپنے دین کی حفاظت نہیں کر سکتے، اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے، فرض کر لیجئے اگر یہاں رہ کر دین پر عمل کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے تو پھر شریعت ہمیں ایسی جگہ رہنے کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے کسی ایسی زمین اور ملک کی طرف ہجرت کر جاؤ جہاں تم اسلام پر عمل کر سکو، دین پر عمل کر سکو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ:

تاجدارِ دو عالم، سرورِ کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمونہ ہمارے سامنے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روپیہ پیسہ کمانے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، روپیہ، پیسہ تو کیا؟ مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے تو آپ کو حکومت کی پیشکش ہو رہی تھی کہ ہم آپ کو پورے عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں، آپ نے اس پیشکش کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے بدلے اپنے آبائی وطن کو چھوڑنا گوارا کر لیا، آبائی وطن بھی کون سا؟ جہاں بیت اللہ شریف تھا یعنی مکہ مکرمہ۔

چنانچہ مکہ مکرمہ میں دین پر عمل ممکن نہ ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور صحابہ کرامؓ پر فرض ہو گیا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جائیں بلکہ تمام اہل مکہ پر فرض عین کر دیا گیا کہ سب کے سب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ جائیں کیونکہ اب مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے دین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا۔

اسی طرح اگر ہم یہاں رہتے ہوئے دین پر عمل نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے یہاں رہنا جائز نہیں بلکہ ہمیں یہاں سے جانا پڑے گا، اور اگر ہم خود تو دین پر عمل کر

سکتے ہیں لیکن اپنے بیوی بچوں کا ایمان نہیں بچا سکتے، ان کا دین نہیں بچا سکتے تب بھی ہم پر لازم اور فرض ہے کہ ان بچوں کا مستقبل بچالیں، ان کا ایمان بچالیں اور ان کو لے کر واپس چلے جائیں جہاں یہ اپنے ایمان اور دین کی حفاظت کرسکیں، میں جذبات میں یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ بہت سوچ سمجھ کر عرض کر رہا ہوں اور شریعت کا مسئلہ عرض کر رہا ہوں، فقہاء کرام نے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت کر رکھی ہے۔

عیسائیوں کا نقشہ:

الحمدللہ! آپ حضرات نے اپنی خون پسینے کی کمائی سے یہ مسجدیں بنائی ہیں، مدرسے بھی بنا رہے ہیں لیکن اپنی نسلوں کے اندر اگر ایمان چھوڑ کر نہ جا سکے، اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت نہ کر سکے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کام عیسائیوں کی موجودہ نسلوں نے کیا اور کر رہی ہیں وہی کام خدانخواستہ ہماری تیسری چوتھی نسل کرنے لگے کہ آپ کی اور ہماری بنائی ہوئی مسجدوں کو فروخت کر کے کھا جائے، عیسائیوں کا نقشہ آپ حضرات کے سامنے ہے کہ ان کی موجودہ نسلیں اپنے چرچ فروخت کر رہی ہیں اور مسلمان وہ چرچ خرید کر ان کو مساجد و مدارس میں تبدیل کر رہے ہیں، یہ آپ کے امریکہ میں بھی ہو رہا ہے اور یورپ میں بھی ہو رہا ہے، اگر ہم نے بھی اپنی نسلوں کے ایمان اور دین کی حفاظت نہ کی تو یقین کیجیے کہ یہ کام ہوگا، ہماری نسلیں یہ مسجدیں بیچ ڈالیں گی۔

اس واسطے یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سوچنے اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے اگر آپ اپنی نسلوں کے ایمان کی حفاظت کی کوشش کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہاں آپ کے قیام کو مبارک کرے، دین اور دنیا کی ترقیوں سے آپ کو اور آپ کی نسلوں کو خوب خوب نوازے اور اگر آپ کو یقین یا ظن غالب ہے کہ آپ یہاں اپنی نسلوں کے دین اور ایمان کی حفاظت نہیں کرسکیں گے تو آپ کے لیے یہاں رہنا جائز

نہیں، اگر یہاں ان نسلوں کو ایسے ہی چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے تو اللہ کے ہاں آپ سے سوال ہوگا کہ بیوی بچوں کے دین و ایمان کو کس کے سپرد کر کے آئے ہو؟ میں بہت ہی خیر خواہی سے ڈرے ہوئے دل کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے اس پر غور فرمائیں۔

امریکہ کے مسلمانوں کی ضرورت:

میں یہاں (امریکہ) کے حالات کا جتنا جائزہ لیتا ہوں اور پچھلے سات آٹھ سال سے تقریباً ہر سال یہاں مختلف علاقوں اور شہروں میں آنا ہو رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہاں لمبی چوڑی تقریروں کی ضرورت کم ہے، یہاں اصل میں سوالات کی کثرت ہے سوالات کے جوابات دینے والے علماء نہیں ہیں، اس وجہ سے میں آج کی اپنی تقریر لمبی کرنا نہیں چاہتا بلکہ ایک اہم بات کی طرف توجہ دلا کر اس کا جو کچھ حل اپنے دوست احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے سوچا اور مناسب سمجھا ہے وہ آپ کے سامنے عرض کروں گا کہ اس اہم مسئلے کا حل کیا ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ سوالات و جوابات کا سلسلہ ہم دیر تک جاری رکھیں گے۔

مسئلہ کا حل:

اتنی بات عرض کر دوں کہ اس مسئلے کا حل آسان نہیں ہے، مشکل ہے مگر حل موجود ہے، مشکلات سے گزرے بغیر بڑے بڑے کارنامے انجام نہیں دیئے جا سکتے، موجودہ جو قومیں دنیا کی ترقی کی معراج پر پہنچی ہیں وہ بھی آسانی سے نہیں پہنچیں بلکہ انہوں نے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں، قربانیاں دی ہیں، کئی نسلوں نے اپنی اپنی محنتیں لگائی ہیں تب کہیں جا کر ان کو دنیا کی ترقی نصیب ہوئی ہے، تو دین کے معاملے میں بھی کچھ مشکلات سے گزرے بغیر چارۂ کار اور نجات نہیں ہے، میں انشاء اللہ اس مسئلے کے حل پر مشتمل چند باتیں عرض کروں گا اور پھر سوال و جواب کا سلسلہ ہوگا۔

دین و ایمان کی حفاظت کے سات نکات

یہاں (غیر مسلم ممالک میں) دین اور ایمان کی حفاظت کیسے کی جائے؟ اس سلسلے میں، میں نے سات نکات کافی غور وفکر اور یہاں کے تجربہ کار حضرات سے تبادلہ خیال کے بعد متعین کیے ہیں۔ اور وہ میں تقریباً اپنے ہر سفر امریکہ میں اپنے بہن بھائیوں اور احباب سے عرض کرتا ہوں، آپ کی خدمت میں بھی اس امید سے عرض کر رہا ہوں کہ اس کو اپنے ایک مخلص بھائی کا مشورہ سمجھ کر توجہ سے اس پر غور فرمائیں گے۔

(۱) نئی نسل کی تعلیم کا مسئلہ

پہلا مسئلہ یہاں آپ کی اور ہماری نسلوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے، اپنے بچوں اور بچیوں کو ہمیں جاہل نہیں چھوڑنا، ناگزیر ہے کہ ہم ان کو تعلیم دلوائیں علم کی جو فضیلت اور اہمیت اسلام میں آئی ہے وہ آپ کو اجمالی طور پر معلوم ہی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾

''ہر مسلمان پر علم حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا فرض ہے۔''

ہر مسلمان یعنی مرد و عورت سب پر ایک حد تک علم حاصل کرنا فرض ہے، بچوں کو جاہل چھوڑنا نہ کوئی نیکی کا کام ہے اور نہ ہی اس میں اولاد کے ساتھ خیر خواہی ہے، تعلیم تو دینی ہے لیکن سرکاری سکولوں اور سیکولر سکولوں میں ہماری بچیاں اور بچے جائیں گے اور جا رہے ہیں، ان کے دین اور ایمان کا وہاں کیا حشر ہو رہا ہے آپ حضرات مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، واقعات آپ کے علم میں ہوں گے کہ ہماری بعض بیٹیوں نے سکھ سے شادی کر لی، عیسائیوں سے شادی کر لی، یہودیوں سے شادی کر

لی، ہندوؤں سے شادی کر لی اور کہیں یہ بھی ہے کہ شادی کے بغیر ہی میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں، یہ سب کچھ ہو رہا ہے جس میں بنیادی کردار یہ سکول ادا کر رہے ہیں بیشتر دوستیاں سکولوں میں ہوتی ہیں، یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوتی ہیں، وہیں سے ''لومیرج'' ہوتی ہے اور زیادہ تر وہیں سے سارے قصے نکلتے ہیں۔

مسلم سکولوں کا قیام:

مسئلہ ہے مشکل کہ بچوں کو تعلیم سے محروم بھی نہیں رکھا جا سکتا اور تعلیمی اداروں میں بھیجیں تو ان کے دین و ایمان کا یہ حشر ہوتا ہے جو ہو رہا ہے، اس واسطے میں اپنے بہن بھائیوں سے عرض کرتا ہوں، انگلینڈ میں بھی عرض کرتا رہا ہوں کہ سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ مسلم سکول قائم کئے جائیں، جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ہر ہر بستی میں مسلم سکول قائم کئے جائیں اور وہ سکول بھی مسلّم معیار کے ہوں، سرکاری سطح پر جو معیار مقرر ہے یا دوسری قوموں کے جو سکول قائم ہیں اسی معیار کے مسلّم سکول ہونے چاہیں۔

میری معلومات کی حد تک یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہودی اپنے سکول الگ قائم کرتے ہیں اور بہت شاندار سکول قائم کرتے ہیں، اگر یہودی اپنے دین کی حفاظت کے لئے، اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے، اپنی نسلوں کا مذہب بچانے کے لئے اپنے سکول الگ قائم کر سکتے ہیں تو کیا حضور ﷺ کی یہ امت نہیں کر سکتی؟ بلاشبہ کر سکتی ہے، الحمد للہ! یہاں کا مسلمان روپے پیسے کے اعتبار سے اتنا گیا گذرا بھی نہیں کہ اس کے لئے خرچ نہ کر سکے، بات صرف ہمت اور عزم کی ہے، جس دن آپ یہ عزم اور ارادہ کر لیں گے کہ ہمیں مسلم سکول قائم کرنا ہے اس دن راستے کی ساری مشکلات ہٹ جائیں گی اور جب تک ارادہ نہیں ہوگا تو راستے میں مشکلات ہی مشکلات نظر آئیں گی۔

لوگ اس معاملے میں طرح طرح کی مشکلات ذکر کیا کرتے ہیں، سب سے بڑا مسئلہ فنڈ کا ہوتا ہے کہ اگر ہم فیس زیادہ رکھتے ہیں تو لوگ فیس دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اگر فیس کم رکھتے ہیں تو خرچہ پورا نہیں ہوتا، میں یہ کہا کرتا ہوں کہ جس دن آپ یہ عزم کرلیں گے کہ ہمیں یہ کام کرنا ہے تو سب مسائل حل ہو جائیں گے، جب آپ کے اوپر کوئی بڑا خرچہ آتا ہے تو کہیں نہ کہیں سے آپ اس کا انتظام کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ خدانخواستہ اگر کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہو اور علاج کرنا پڑ جائے، مریض کو ہسپتال بھیج دیا جائے اور وہاں آپریشن کرانا پڑ گیا تو ہزاروں لاکھوں ڈالر وہاں خرچ کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ جب جان بچانے کے لئے ہزاروں لاکھوں ڈالر ہمیں خرچ کرنے پڑ جائیں تو ہم خرچ کرتے ہیں تو دین اور ایمان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کریں، ساری بات عزم اور ارادے کی ہے جس دن آپ عزم اور ارادہ کرلیں گے انشاء اللہ اسی دن مسلم سکول کے لئے فنڈ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

الحمدللہ! میری معلومات کی حد تک یہاں اسپرنگ فیلڈ میں بھی ایک مسلم سکول قائم ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم جناب عبدالحمید صاحب کو کہ وہ اور ان کے رفقاء یہ سکول چلا رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سکولوں کا تعلیمی اور تربیتی معیار اور بڑھایا جائے تاکہ ہمارے جو بچے ان سکولوں میں تعلیم حاصل کریں وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں نیز دوسرے سکولوں کے مقابلے میں ان کا ظاہری معیار بھی اچھا ہو کہ کھیل کود کا مناسب انتظام ہو، باغیچہ ہو اور بچوں کے کھیلنے کے لیے جھولے وغیرہ ہوں، دوسری قوموں کے سکولوں اور سرکاری سکولوں میں بچوں کے لیے جو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں وہ سہولتیں ہمارے ان سکولوں میں فراہم کی جائیں، بلاشبہ اس میں خرچہ بہت ہے، مسائل اور مشکلات بھی ہیں لیکن کوشش کرنے سے سب کچھ آسان ہوسکتا ہے۔

دینی مدرسہ اور دارالعلوم کا قیام:

جہاں تک بڑے دینی مدرسے کا معاملہ ہے کہ کوئی دارالعلوم قائم ہو، جس میں دین کی اعلیٰ تعلیم دی جائے، عقائد، تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عربی زبان وغیرہ اسلامی علوم و فنون پڑھائے جائیں جیسا کہ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم کراچی اور پاکستان و ہندوستان کے دوسرے دینی مدارس اور دارالعلوم میں پڑھائے جاتے ہیں، یہ بھی بہت بڑا اور عظیم الشان کام ہے، دینی تعلیم یعنی علماء تیار کرنے کا کوئی ادارہ یہاں قائم ہو اس کی بھی ضرورت ہے، لیکن فرض کر لیجئے پورے امریکہ میں اگر ایک ادارہ بھی معیاری قائم ہو جائے، اچھے اور ماہر علماء وہاں لائے جائیں، علماء اسلام میں سے بہترین مغز کو یہاں لایا جائے اور چیدہ چیدہ شخصیات کو یہاں لاکر ایک بھی ایسا ادارہ قائم کر لیا جائے تو پورے امریکہ کی کم از کم فوری ضرورت پوری ہو جائے گی اور اگر ایک سے زائد ادارے قائم ہو جائیں تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

البتہ مسلم سکول کا قیام ہماری ہر بستی کی ضرورت ہے جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں وہاں کے بچوں کو ہمیں تعلیم تو دلوانی ہی ہے، مگر اپنے بچوں کو دوسروں کے سکولوں میں بھیج کر اپنے دین کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے، اس واسطے آپ سے میری درخواست ہے کہ اس کا حل نکالیں، اس میں جو مشکلات ہیں وہ آپ کو سوچنی بھی ہیں اور ان کا حل بھی نکالنا ہے، یہاں کے حالات کا علم و فہم مجھ سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے، جب کوشش کریں گے تو اس کا حل بھی نکلے گا، کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

(سورۃ العنکبوت، آخری آیت)

''جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں (محنت و مشقت

اٹھاتے ہیں تو) ہم ان کیلئے ضرور راستے کھول دیتے ہیں"

محنت اور کوشش شرط ہے، اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے، اپنے بچوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کیجئے۔

عزم و ہمت کی مثال:

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی آدمی ہائی وے پر جا رہا ہو اور دونوں طرف اونچے اونچے گھنے درخت ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے جا کر درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں مل گئی ہیں اور سڑک بند ہوگئی ہے، اگر کوئی بے وقوف اور کم ہمت آدمی یہ دیکھ کر بیٹھ جائے کہ آگے تو راستہ بند ہے اس لئے آگے جانے سے کوئی فائدہ نہیں تو وہ کبھی بھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچے گا، لیکن جو شخص چلنا شروع کر دے گا تو وہ یہ دیکھے گا کہ وہ جتنا چلتا چلا جائے گا راستہ کھلتا چلا جائے گا کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

(سورۃ العنکبوت: آخری آیت)

"جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لئے ضرور راستے کھول دیتے ہیں۔"

(۲) مسلم محلوں کا قیام

دوسری بات بھی اسی سے قریب قریب ہے وہ یہ کہ انگلینڈ میں مسلمانوں نے اپنے محلے کے محلے الگ قائم کر لیے ہیں بلکہ بعض شہر بھی ایسے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم پاکستان کے کسی شہر میں پھر رہے ہیں کہ محلے کے محلے

مسلمانوں کے ہیں جن میں سارے گھر مسلمانوں کے ہیں، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہو گیا ہے کہ ان کے لیے اپنے کلچر کی حفاظت آسان ہو گئی ہے، ان کے بچے باہر نکلیں تو ان کو خطرہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی غلط ماحول میں چلے جائیں گے، مسجد بھی محلے ہی میں بنی ہوئی ہے اور عورتوں کا آپس میں آنا جانا بھی بہت ہے اس طریقے سے ان کا دین بھی بچا ہوا ہے اور سہولتیں بھی میسر ہو گئی ہیں، ایک دوسرے کی شادی غمی میں اور دکھ درد میں شریک ہونا آسان ہو گیا ہے جو ان کے لیے تقویت کا باعث ہے، اس طرح اُن میں پردیسی پن اور اجنبیت کا احساس بھی تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ یہاں امریکہ میں ابھی تک یہ صورتحال نہیں بنی، مسلم محلے ابھی قابل ذکر حد تک تو نہیں بنے البتہ کہیں کہیں بن گئے ہیں۔

مسلم محلوں کے قیام کا طریقہ:

اس کا ایک راستہ یہ ہے کہ جہاں مسجد ہے اس کے قریب مکانات لینے کی کوشش کی جائے، اس طرح خود بخود مسلمانوں کا محلّہ بن جائے گا، مسلمانوں کا محلّہ بن جائے گا تو اس ماحول میں رہتے ہوئے سکول قائم کرنا بھی آسان ہو جائے گا، ورنہ اگر لوگ بکھرے ہوئے ہوں گے کہ ایک گھر دس میل کے فاصلے پر ہے دوسرا بیس میل کے فاصلے پر تو وہاں بچوں کو کسی ایک سکول میں لانا آسان نہیں ہوگا، لیکن جب پورا محلّہ مسلمانوں کا ہوگا اور ان کی ایک کمیونٹی ہوگی، گھر بھی پاس پاس ہوں گے، محلے میں مسجد بھی ہوگی تو پھر انشاء اللہ مسلم سکول کا قیام بھی آسان ہوگا۔

تو دوسری بات یہ ہے کہ مسلم محلے بنانے کی کوشش کی جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک دو دن کا کام نہیں لیکن اگر یہ ضرورت ذہنوں میں رہے گی اور اسی کی بنیاد پر آپ اپنی زندگی کی منصوبہ بندی کریں گے تو رفتہ رفتہ انشاء اللہ یہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔

(۳) اللہ والوں سے تعلق قائم کیجئے

تیسری بات بھی دین و ایمان کو بچانے کے لیے بہت اہم ہے، سورۂ توبہ میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے''

یعنی گناہوں سے بچو، آگے گناہوں سے بچنے کا طریقہ بتلا دیا کہ:

﴿وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾

''رہو سچوں کے ساتھ''

یعنی ان لوگوں کے ساتھ رہو جو دل کے بھی سچے ہیں، زبان کے بھی سچے ہیں، عمل کے بھی سچے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود نیک ہوں، دیندار ہوں، جب دینداروں کے ساتھ رہو گے تو تمہارا ماحول دینداری کا ہوگا، پھر وہاں گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا، نیکیاں کرنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ رہو، پھر نیک لوگوں کے درجات مختلف ہیں، بعض اونچے درکے کے اولیاء اللہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایسے بندے سے آپ کا تعلق جوڑ دے تو ان کو اپنا رہبر و رہنما بنا کر ان کے ساتھ رہیں اور قدم قدم پر ان سے مشورے کرتے رہیں، انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا، اگر آپ کی بستی اور شہر میں کوئی ایسا رہبر نہیں ہے تو دنیا کے دوسرے علاقوں میں تو موجود ہیں، ان سے اپنا رابطہ رکھیں، اب تو رابطے آسان ہو گئے ہیں، ٹیلیفون پر، فیکس کے ذریعے اور ای میل کے ذریعے رابطے ہو سکتے ہیں، جب اللہ والوں سے آپ کا تعلق ہوگا تو دین پر عمل کرنا آسان ہوگا، دین کے خلاف عمل کرنا مشکل ہوگا، اگر آدمی کسی سفر میں ہو اور سفر میں سارے ساتھی نمازی ہوں تو نماز پڑھنا آسان اور اسے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے، نماز پڑھنی پڑے گی اگر پڑھنا نہ چاہے تب بھی شرما شرمی میں

پڑھنی پڑے گی۔

قرآنِ کریم کا حکیمانہ محبت بھرا اسلوب:

قرآنِ کریم کا ایک عجیب مربیانہ اور مشفقانہ اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جس میں بندوں کے لئے کچھ مشکل ہو تو اس کے ساتھ آگے یا پیچھے ایک اور حکم ایسا دے دیتا ہے جس سے اس مشکل کو آسان کرنے کا راستہ نکل آتا ہے، اسی اسلوب کے مطابق یہاں بھی قرآنِ کریم نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے، حکم دیا:

﴿یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُو اللّٰہَ﴾

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے''

یعنی گناہوں سے بچو، آگے ایک اور حکم دے دیا کہ یہ کام بھی کرو، یہ بھی فرض ہے، مقصد یہ ہے کہ اس فرض کو ادا کرو گے تو پہلا فرض آسان ہو جائے گا، وہ یہ کہ:

﴿کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾

''اللہ والوں کے ساتھ رہو، نیک لوگوں کے ساتھ رہو''

جب نیک لوگوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ آسان ہو جائے گا، گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

اس آیت کی روشنی میں میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنا تعلق اللہ والوں سے جوڑیں، ان سے جس حد تک اپنے تعلقات بڑھا سکتے ہیں بڑھائیں، جتنا زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزار سکیں گزاریں، اگر وہ آپ کی بستی سے دور ہیں تو سفر کر کے وہاں جائیں، سال میں مہینہ، دو مہینہ، ہفتہ دو ہفتہ، ان کے پاس جا کر رہا کریں۔

رشتہ میں بھی دینداری کا خیال رکھیں

اسی سلسلے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ رشتہ دینے میں اور رشتہ مانگنے میں بھی دینداری کا خاص طور سے خیال رکھیں، اپنے بننے والے داماد میں جہاں آپ اور بہت

سی باتیں دیکھتے ہیں ایک بات یہ بھی دیکھیں کہ اس میں دین اور ایمان کتنا ہے۔

اسی طرح تجارت میں اگر آپ کسی کے ساتھ پارٹنرشپ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کوشش کریں کہ آپ کو ایماندار مسلمان اور دیندار آدمی ملے، غرض یہ کہ روزمرہ کی زندگی میں بھی یہ کوشش کی جائے کہ ہمارے تعلقات اور رشتے نیک لوگوں سے زیادہ سے زیادہ قائم ہوں۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق قائم کیجئے:

اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی یہ بھی ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیجئے، الحمدللہ! اس جماعت سے پوری امت کو جو فائدہ پہنچا ہے، جس بڑے پیمانے پر پہنچا ہے، جس عالمگیر انداز میں پہنچا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اگرچہ اس وقت وہ فائدہ جزوی حد تک ہے کہ تبلیغی جماعت کے احباب پورے دین کی تعلیم نہیں دیتے لیکن جتنی چیزوں کی وہ تعلیم دیتے ہیں وہ بہت اہم ہیں اور ان کے ذریعے باقی ماندہ نیک اعمال کے اور گناہوں سے بچنے کے بھی راستے نکلتے ہیں، یہ اتنے بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے کہ پوری دنیا میں اس وقت اس کی نظیر نہیں ہے، نہ مسلمانوں میں ایسی کسی تنظیم کی نظیر ہے جو عوامی سطح میں دین کی اتنے بڑے پیمانے پر خدمت انجام دے رہی ہو، اور نہ عیسائی اور یہودیوں میں اس کی کوئی نظیر ہے، عیسائیوں کے ہاں کتنے فنڈ ہیں، کتنی تنظیمیں ہیں اور کتنے مشن ہیں جو عیسائیت کی تبلیغ میں لگے رہتے ہیں، لیکن جو کام ہماری تبلیغی جماعت کر رہی ہے وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں۔

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس جماعت کا کوئی دفتر نہیں، کوئی فنڈ نہیں، کوئی بینک بیلنس نہیں، ان کے ہاں کوئی اشتہار نہیں چھپتا لیکن جو فیصلہ یہاں ہوتا ہے تین دن کے بعد آپ اس کو ہانگ کانگ میں سنتے ہیں، چائنا میں سنتے ہیں، افریقہ میں سنتے ہیں ایشیا میں سنتے ہیں، پوری دنیا میں شہرت ہو جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت کا کام جذبہ اور اخلاص کے ساتھ ہو رہا ہے اور ہر قسم کی گروہ

بندی اور فرقہ واریت سے دور رہ کر ہو رہا ہے۔ ہر شخص اپنا پیسہ خرچ کر کے لکھ پتی، کروڑ پتی، عرب پتی لوگ اپنا سامان کندھے پر لاد کر اور بستر زمینوں پر بچھا کر، پیدل چل کر، ہوائی جہازوں میں اڑ کر، بحری جہازوں میں جا کر، ریلوں اور بسوں میں سفر کر کے، سفر کے اندر طرح طرح کی مشقتیں اور مجاہدے کر کے کفرستانوں، برفستانوں اور ریگستانوں میں اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، شاید کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ پوری دنیا میں کتنے ہی قافلے کہیں نہ کہیں اللہ کا پیغام نہ پہنچا رہے ہوں، اللہ تعالیٰ اس جماعت سے بہت بڑا کام لے رہے ہیں، یہ ہمارے بزرگوں کا شروع کیا ہوا کام ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شروع کیا ہوا کام ہے، اس واسطے خاص طور سے مغربی ممالک کے مسلمان بھائی اس جماعت سے اپنا جوڑ قائم کریں، ان کے ساتھ جوڑ میں لگے رہیں گے تو انشاء اللہ دین پر عمل کرنا آسان ہوگا۔

تبلیغی جماعت پر اعتراضات:

بہت سے لوگوں کی طرف سے تبلیغی جماعت پر طرح طرح کے کچھ اعتراضات بھی ہوا کرتے ہیں، کوئی کہا کرتا ہے کہ یہ لوگ ''امر بالمعروف'' تو کرتے ہیں لیکن ''نہی عن المنکر'' نہیں کرتے یعنی نیک کاموں کی تبلیغ تو کرتے ہیں بُرے کاموں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کرتے، میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ نیک کاموں کی تبلیغ کرنا بھی اچھا کام ہے۔ اور بُرے کاموں سے بچنے کی تبلیغ کرنا بھی اچھا کام ہے۔ ایک اچھا کام وہ کر رہے ہیں دوسرا اچھا کام تم کر لو، جو کام وہ نہیں کر رہے وہ آپ شروع کر دیں۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ان کے ہاں تشدد بہت ہوتا ہے میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ تم تشدد نہ کرو، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، الحمد للہ! تبلیغی جماعت کے علمائے کرام اور بزرگوں کے ہاں حد سے تجاوز کرنے کرنے کی بات نہیں ہے، البتہ جو لوگ نئے نئے تبلیغ میں لگتے ہیں، ان کو چونکہ دین کی معلومات نہیں ہوتیں، وہ

یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دین اسی تبلیغ میں منحصر ہے جو کام تبلیغ میں ہو رہا ہے، بس دین کا یہی کام ہے، وہ اس میں اتنے لگ جاتے ہیں کہ دین کے دوسرے اہم کاموں کو غیر اہم سمجھنے لگتے ہیں، مدرسوں کو بھی بے کار سمجھنے لگتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں یہ خرابی بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے حقوق، ماں باپ اور بہن بھائیوں کے حقوق سے غافل ہو جاتے ہیں اور جوشیلے نوجوان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ بیوی کا جنازہ پڑا ہوا تھا یا بیوی ہسپتال میں پڑی ہوئی تھی اور شوہر نامدار چلّے میں نکل گئے۔

خوب سمجھ لیجئے یہ کوئی دین کا کام نہیں ہے، یہ باتیں واقعی حد سے گزری ہوئی ہیں جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور یہ باتیں قابل اصلاح ہیں لیکن یہ تبلیغی جماعت کے بزرگوں کی اصل پالیسی نہیں ہے، یہ چھوٹے اور جوشیلے قسم کے لوگوں کی باتیں ہیں، جب آدمی نیا نیا اور جوشیلا ہوتا ہے تو وہ ایسے ہی کرتا ہے، جیسے مشہور ہے کہ دو آدمی راتوں کو جاگتے ہیں ایک وہ جو کسی کا نیا نیا مرید ہوا ہو، اور دوسرا وہ جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہو، اسی طریقے سے تبلیغی جماعت میں جو لوگ نئے نئے لگتے ہیں جنہیں دین کی کوئی خبر نہیں ہوتی تو وہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں جبکہ یہ تبلیغی جماعت کی اصل پالیسی نہیں ہے۔ آپ تبلیغی جماعت میں ضرور لگیں اگر اس میں کچھ لوگ غلط کام کر رہے ہیں تو ان کی پیروی نہ کریں بلکہ بزرگوں اور علماء کی بات پر چلیں کیونکہ علماء کی بات معتدل ہوتی ہے اور اس میں شریعت کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے۔

(۴) دینی کتب کا مطالعہ

چوتھی بات یہ ہے کہ دینی کتب کا مطالعہ کریں، یہاں آپ کے پاس دینی لٹریچر بہت کم ہے، اب الحمدللہ! انگریزی میں بھی دینی لٹریچر آنے لگا ہے، اردو میں تو دینی لٹریچر ہندوستان و پاکستان میں بہت موجود ہے، اردو میں یا اپنی اپنی مادری زبان میں دین کی جو کتابیں میسر آئیں ان کا مطالعہ کیا جائے، اگر آپ کو دینی کتابیں مطالعہ

کرنے کی فرصت نہیں ہے تب بھی آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ کتابیں لا کر آپ گھر میں رکھیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو تو فرصت نہ ہو لیکن آپ کی بیگم صاحبہ کو فرصت مل جائے تو وہ کبھی مطالعہ کرلیں، ان کو بھی فرصت نہ ملے تو آپ کے بچوں کو کبھی موقع مل جائے وہ مطالعہ کرلیں، کتابیں گھر میں موجود ہوں گی تو کبھی نہ کبھی ان کو پڑھنے والے بھی میسر آ ہی جائیں گے۔

(۵) حرام مال سے اجتناب:

پانچویں بات بھی نہایت ہی اہم ہے اور وہ یہ کہ حرام مال سے اپنے آپ کو بچائیں، دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ بعض گناہوں کا وبال ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے بہت سے گناہوں کو جنم دیتا ہے، حرام مال بھی ایسی ہی چیز ہے، جب آدمی حرام مال کھاتا ہے تو اس کے اثرات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اس کی وجہ سے پھر دین کی دوسری چیزوں میں بھی کمزوری آجاتی ہے، حرام مال کھانے کا جو گناہ اور عذاب ہے وہ تو ہوگا ہی، اس کا مزید نقصان یہ ہوتا ہے حرام مال کھانے والے کے لیے دین پر عمل کرنے میں دشواریاں پیدا ہونے لگتی ہیں، انسان میں دین سے غفلت پیدا ہونے لگتی ہے، اولاد نافرمان ہونے لگتی ہے اور اس میں دین سے دوری پیدا ہونے لگتی ہے یہ حرام مال کے اثرات ہوتے ہیں، حرام مال بہت ہی تباہ کن چیز ہے، حرام مال کے بے شمار راستے ہیں، ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے، یہ ملک خاص طور سے سودی لین دین کا مرکز ہے اس لیے سود سے اپنے آپ کو بچائیں، حرام لقمہ اور حرام گھونٹ آپ کے گھر میں نہ آئے، شراب سے بھی بچیں، جس طرح حرام مال بہت سارے گناہوں کو دعوت دینے والا ہے اسی طرح شراب ام الخبائث یعنی تمام گناہوں کی بنیاد ہے، جب آدمی شراب پی لیتا ہے تو پھر اس کی عقل ہی کام نہیں کرتی، اس واسطے جس طریقے سے بھی ممکن ہو حرام کھانے پینے سے اپنے آپ کو بچائیں۔

(۶) گھروں میں اپنی مادری زبان کو زندہ رکھئے

چھٹی بات جو بلاشبہ آپ کے لیے مشکل ضرور ہوگی لیکن ناممکن نہیں ہے، تھوڑی سی کوشش سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور ابھی تو حل ہو سکتا ہے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس میں مزید مشکلات پیدا ہوتی جائیں گی، آپ اپنے بچوں کو انگریزی خوب پڑھوائیں، یہ یہاں کی زبان ہے اس میں ترقی کے بغیر ہمارے بچے معاشی میدان اور ملازمتوں میں دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لیے مسلمان بچوں میں انگریزی زبان لکھنے کی، بولنے کی اور انگریزی میں مضمون نویسی اور تصنیف و تالیف کی خوب مہارت پیدا کروائیں، لیکن آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ آپ گھر میں انگریزی نہ بولیں، میاں بیوی آپس میں انگریزی نہ بولیں، ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ انگریزی نہ بولیں، گھروں میں اپنی مادری زبان کی حفاظت کریں، اگر آپ کی مادری زبان گھروں میں محفوظ رہے گی، آپ کے بچوں میں محفوظ رہے گی تو ان بچوں کا جوڑ اور رابطہ ماضی سے قائم رہے گا، امت مسلمہ سے قائم رہے گا، ہندوستان و پاکستان سے قائم رہے گا اور اگر عرب بچے ہیں تو عالم عرب سے قائم رہے گا، زبان صرف زبان ہی نہیں ہوتی، زبان کی ایک سوچ اور مزاج ہوتا ہے، اگر ہمارے بچے مادری زبان بھول جائیں گے، تو ماضی سے کٹ جائیں گے اور پھر ان پر وہی اثرات باقی رہ جائیں گے جو یہاں کی تہذیب اور زبان کے ہوں گے بہت سی اسلامی اصطلاحات ایسی ہیں کہ ان کا ترجمہ انگریزی میں ہو ہی نہیں سکتا، وہ اصطلاحات ہماری نئی نسل سے اوجھل ہو جائیں گی۔

میں یہاں دیکھ رہا ہوں کہ اچھے خاصے دیندار پاکستانی اور ہندوستانی گھرانوں کے بچے اردو نہیں بول پا رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج تو میری تقریر آپ سن رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں، اگر ہمارے بچوں میں اردو ختم ہوگئی تو اب سے دس سال بعد میری تقریر سمجھنے والے کم رہ جائیں گے حتیٰ کہ بیس سال بعد کوئی

نہیں رہے گا، اس طرح ہماری نئی نسل ماضی سے کٹ جائے گی، اور اپنی روایات بھول جائے گی، اپنے علماء سے کٹ جائے گی، ان کی کتابوں، تحریروں اور تقریروں سے محروم ہو جائے گی، اور دین سے دور ہوتی چلی جائے گی۔ اس واسطے میری یہ درخواست اپنے بھائیوں سے بھی ہے اور ان ماؤں بہنوں سے بھی جو اس وقت میری بات سن رہی ہیں کہ اگر اب تک آپ کی عادت انگریزی بولنے کی رہی ہے تو بلاشبہ ایکدم سے اس عادت کو چھوڑنا بہت مشکل ہوگا لیکن یقین کیجئے کہ ناممکن نہیں ہے، یہ بچے آپ کے پاس امانت ہیں، ان پر رحم کیجئے، ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ان کی مادری زبان کی حفاظت کی ضرورت ہے، آپ اپنے بچوں کو بخار اور نزلے سے بچانے کے لیے کتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں، اس کام کے لیے بھی تھوڑی سی مشقت اٹھا لیجئے۔

(۷) سب کے ساتھ حسنِ سلوک (حقوق العباد کا اہتمام)

آخر میں ساتواں نکتہ ایسا پیش کر رہا ہوں جس کی طرف سے مسلمانوں میں عام طور سے غفلت پائی جاتی ہے، اور وہ ہے حقوق العباد کی ادائیگی، یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک۔ ہمیں اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تمام انسانوں کے ساتھ یعنی اپنے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بھی احسان، خیرخواہی، حسن سلوک، انصاف اور حسن اخلاق کا اہتمام کرنا لازم ہے۔

ظلم اور بدعہدی غیر مسلموں کے ساتھ بھی جائز نہیں:

خوب سمجھ لیجئے کسی قسم کا ظلم یا بدعہدی کرنا یا امانت میں خیانت کرنا، یا ناحق تکلیف پہنچانا اور دل آزاری کرنا جس طرح مسلمانوں کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے اسی طرح کسی کافر اور غیر مسلم کے ساتھ بھی ناجائز اور حرام ہے، اسلام مسلمانوں کو انسان تو انسان کسی جانور پر بھی ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دوسروں کو تکلیف دینے والی عادتیں:

بڑے افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور اس پر معذرت بھی چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر بہت ساری بری عادتیں ایسی پھیل گئی ہیں کہ اُن سے غیر ارادی طور پر بھی دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلموں کو بھی، ہمیں ایسی عادتوں سے یوں تو ہر جگہ ہی بچنا ضروری ہے مگر خاص طور سے ایسے ممالک میں تو اور بھی ضروری ہے جہاں ہمارا واسطہ غیر مسلموں سے ہو۔ کیونکہ وہ ہمارا اخلاق و کردار دیکھ کر ہی اسلام کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتے ہیں، اگر ہمارا اخلاق و کردار اچھا، مہذب اور شائستہ ہوگا، انصاف پر مبنی ہوگا، دوسروں کے ساتھ احسان، خیر خواہی، حسن سلوک اور حسن اخلاق پر مبنی ہوگا تو وہ اسلام کو اچھا، انصاف کا، سلامتی کا اور احسان کا دین سمجھیں گے، اور خدانخواستہ ہمارا اخلاق و کردار اگر اسلامی تعلیمات کے مطابق اچھا نہیں ہوگا تو وہ اسلام سے بھی بیزار ہو جائیں گے، اور یہ سمجھیں گے کہ اسلام نے ان کو (نعوذ باللہ) ایسی ہی تعلیم دی ہوگی۔

یاد رکھئے آپ ان مغربی ممالک میں اسلام کے سفیر ہیں، یہاں رہنے والے مسلمانوں کو ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جو دوسروں کے لیے ناحق تکلیف یا ناگواری کا یا دل آزاری کا باعث ہو۔

اپنے پڑوسیوں، ہمسفروں، ہمنشینوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھئے جس سے اُن کو راحت ملے، خوشی ہو، تکلیف نہ پہنچے، ناگواری نہ ہو، دل آزاری نہ ہو۔

ہماری ایسی بری عادتیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے یا جن سے عہد کی خلاف ورزی ہوتی ہے یوں تو بہت ساری ہیں، نہ جانے مسلم معاشرے میں یہ کہاں سے آگئی ہیں؟ مگر چند عادتیں جو میں اس مغربی دنیا میں بھی مسلمانوں کے بعض طبقوں کے اندر دیکھ رہا ہوں یہ ہیں:

(۱) صفائی کا پورا اہتمام نہ کرنا۔

(۲) شوروشغب کرنا۔

(۳) ٹریفک کے قوانین خصوصاً پارکنگ کے قوانین کی پوری طرح پابندی نہ کرنا۔

(۴) وعدہ خلافی۔

(۵) پڑوسیوں کی راحت کا خیال نہ رکھنا۔

(۶) بدعہدی (معاہدے کی خلاف ورزی، عہد شکنی) جس میں ویزا ختم ہو جانے کے باوجود چوری چھپے یہاں قیام کرنا بھی داخل ہے۔

اسلام ان میں سے کسی بھی برائی کی اجازت نہیں دیتا۔ ان باتوں سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان تو مسلمان، کسی شریف انسان کا کام نہیں ہوتا۔ اسی طرح بدعہدی یعنی معاہدے کی خلاف ورزی ایسی خرابی ہے کہ اسے آنحضرت ﷺ نے منافق ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

مسلم وغیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق:

خوب سمجھ لیجئے پڑوسی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام میں اس کے اتنے حقوق ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے میرے پاس آ کر بار بار اتنی کثرت سے پڑوسی کے حقوق کی تاکید کی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو وارث قرار دیئے جانے کا حکم بھی آنے والا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

﴿لایدخل الجنة من لا یأمن جارُه بوائقه﴾

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کی ایذا رسانیوں سے اُس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

پڑوسیوں کے ساتھ خیر خواہی، حسن سلوک اور احسان کے معاملہ میں قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا، پڑوسی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم،

اس کے ساتھ ہمیں خیر خواہی، مدارات، حسن سلوک اور احسان کا برتاؤ کرنے کی تاکید ہے، اور کوئی ایسا کام کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کو ناحق تکلیف یا ناگواری پیش آئے۔ اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم اور غیر مسلم پڑوسی کا فرق نہیں کیا۔

ایک مجلس میں برطانیہ کے ایک محلے کے مسلمانوں نے اظہارِ مسرت کے طور پر کہا کہ یہاں تو اب صرف مسلمان ہی ہیں، جتنے غیر مسلم تھے وہ سب ایک ایک کر کے یہاں سے چلے گئے۔ لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ مغربی ممالک کے اصل باشندے شورو شغب والے علاقے میں رہنا پسند نہیں کرتے، پرسکون محلوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح گھروں کے آس پاس گندگی ان کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

سابق امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر سخت افسوس کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ کاش وہ تم سے مانوس ہو جاتے اور ان کو اسلام کی ہدایت نصیب ہو جاتی، مگر وہ آپ لوگوں کی بری عادتوں سے بیزار ہو گئے ہوں گے۔ کاش اُن کے سامنے آپ کی اچھی عادتیں آتیں، اُن کے ساتھ آپ لوگوں کا حسن سلوک اور حسن اخلاق آتا، اسلامی تعلیمات کے مطابق صفائی ستھرائی اور نظم و ضبط آتا، سنجیدگی اور شائستگی آتی تو وہ آپ سے مانوس ہو جاتے اور آپ کے دین کی طرف بھی راغب ہو جاتے۔

ویزا کی مدت ختم ہو جانے کے بعد یہاں رہنا:

خوب سمجھ لیجئے ویزا کی مدت ختم ہو جانے کے بعد بغیر اجازت کے کسی ملک میں چوری چھپے رہنا بھی شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی ہے، جو کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی ہرگز جائز نہیں۔

اسی طرح یہاں رہتے ہوئے یہاں کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا بھی عہد شکنی میں داخل ہے۔ اگر آپ کو کسی ملک کے قوانین پسند نہیں اور آپ اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے یا اسلام اُن پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو اس ملک کو چھوڑ کر کسی ایسے

ملک میں چلے جائیں جہاں ان قوانین پر عمل نہ کرنا پڑے۔ یہاں رہتے ہوئے قانون شکنی کرنا بدعہدی میں داخل ہے، اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے بدنامی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بری عادتوں سے دور رہنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

اسلام کی نشأۃ ثانیہ:

یہ سات چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی بہنوں کو ان کی طرف متوجہ فرما دے کہ ان پر عمل شروع ہو جائے، اگر یہ کام ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ جو نسل یہاں پروان چڑھ رہی ہے۔ یہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا ذریعہ بن جائے گی، ایک بات یہ بھی عرض کر دوں کہ اگرچہ پوری دنیا میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل کا سامنا ہے لیکن ساتھ ساتھ اسلام کی نشأۃ ثانیہ بھی واضح طور پر نظر آ رہی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ مغرب کے مسلمانوں ہی کو اللہ تعالیٰ اس کا ذریعہ بنا دے کیونکہ یہ بات بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو مسلمان ہندوستان و پاکستان میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتے تھے اُن میں سے بہت سے بھائی اور بہنیں یہاں آ کر نمازی بن گئے، جو داڑھیاں نہیں رکھتے تھے وہ داڑھیاں رکھنے لگے، جو عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں وہ یہاں آ کر پردہ کرنے لگیں۔ جو لوگ دوسروں کی تکلیف ناگواری یا دل آزاری کا باعث بنتے تھے اور اسلام کی بتائی ہوئی تہذیب و شائستگی سے دور تھے انہوں نے اپنی اصلاح کر لی ہے۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس ملک میں اسلام پھیلانے کے لیے بھیجا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین

........❖........

﴿مغربی دنیا میں کیے گئے چند اہم سوالات و جوابات﴾

دارالہدیٰ اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن میں بیان کے بعد امریکی مسلمانوں کے رواج کے مطابق سوالات اور جوابات کا سلسلہ بھی دیر تک جاری رہا، خواتین کے لیے پردے کا انتظام تھا ان کی طرف سے سوالات تحریری شکل میں آتے رہے اور مرد حضرات کچھ تحریری اور کچھ زبانی سوالات کرتے رہے.......... حضرت مفتی صاحب کے جوابات سے سب ہی خواتین و حضرات کو اطمینان اور تشفی ہوئی۔

یہاں اُن سوالات اور جوابات کو بھی ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے، کیونکہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں یہ سوالات کثرت سے پیش آتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

(۱) کام چوری؟

سوال: خدمت اور کام کے لیے ملازم مقرر کیے جاتے ہیں جن کی تنخواہ اور الاؤنس وغیرہ بھی مقرر ہوتے ہیں اُن میں بعض اپنی تنخواہ اور الاؤنس تو پورے لے لیتے ہیں مگر خدمت پوری انجام نہیں دیتے اور کام پورا نہیں کرتے، جتنا وقت لگانا چاہیے اتنا وقت نہیں لگاتے اور جتنی محنت کرنی چاہیے اتنی محنت نہیں کرتے کیا ان کے لیے تنخواہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ کیا کام چوری جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کام چوری جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور کام چوری یہ بھی ہے کہ آدمی تنخواہ تو پوری لے لے لیکن جس کام کی تنخواہ لی ہے اس کو پورا نہ کرے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناپ تول میں کمی کرے کہ پیسے تو پورے لے لے اور ناپ تول میں کمی کرے جس طرح وہ حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

(۲) پاکستانی حکومت اور دینی مدارس:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ پاکستانی حکومت دینی مدارس اور دینی سکولوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ اور اگر کوشش کر رہی ہے تو پھر آپ حضرات نے اس کے بارے میں کیا سوچا ہے؟

جواب: الحمدللہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ پاکستانی حکومت دینی مدرسوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے البتہ اس پر دباؤ ضرور ہے اور بہت سخت دباؤ ہے، اس سلسلے میں اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں حکومت کی ذمہ دار شخصیات کے ساتھ بار بار ہماری میٹنگیں بھی ہوئی ہیں جن میں کئی کئی گھنٹے کی بات چیت ہوئی ہے، بعض اوقات بحث مباحثہ کی نوبت بھی آئی ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ حکومت دینی مدرسوں کو بند کرنے کی کوشش کر رہی ہو اس لیے کہ اگر کوئی حکومت ایسا کرے گی تو پھر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گی انشاء اللہ، اور یہ بات حکومت بھی جانتی ہے اس لیے یہ کوشش تو وہاں نہیں ہو رہی البتہ باہر کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے دینی مدارس کے اوپر اپنی نظریں کچھ زیادہ جما دی ہیں اور ان کے بارے میں تحقیق اور جستجو کچھ زیادہ ہونے لگی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے بلکہ اچھا ہے کہ اگر ہمارے مدرسوں میں کوئی خرابی ہے تو اس طرح اس کی اصلاح ہو جائے گی، الحمدللہ! پاکستان میں ابھی ایسی تشویش کی بات نہیں ہے۔

(۳) مسجد کی خرید وفروخت:

سوال: کیا مسجد کی جگہ کو بیچا جا سکتا ہے اور اگر کوئی بیچ دے تو اس کے لیے کیا وعید ہے۔ بیان فرمادیں؟

جواب: جس جگہ کو ایک مرتبہ باقاعدہ مسجد بنا دیا گیا ہو اور باقاعدہ مسجد بنانے سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ صرف نماز پڑھنے کے لیے مصلی اور جائے نماز بنا دی جائے

یا جماعت خانہ بنا دیا جائے کہ زمین نماز کے لیے کرایہ پر لے لی اور نماز کی جگہ ہوگئی یہ شرعاً مسجد نہیں ہے یہ صرف نماز کی جگہ ہے، شرعاً اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے، مسجد کے احکام شرعاً اس جگہ پر جاری ہوتے ہیں جو مسجد کے لیے ہمیشہ کے لیے وقف کر دی گئی تو وہ جگہ قیامت تک کے لیے مسجد بن گئی، پھر کبھی بھی کسی شخص کے لیے اس جگہ جو بیچنا یا کسی اور کام میں لاجانا جائز نہیں، اس پر قیامت تک وہی احکام رہیں گے جو مسجد کے ہیں چنانچہ حالت جنابت میں اس جگہ جانا جائز نہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۴) جرابوں پر مسح:

سوال: یہاں کپڑوں کی جرابوں پر مسح کیا جاتا ہے، بالخصوص عرب حضرات کو دیکھ کر اب باقی حضرات بھی دیکھا دیکھی میں ایسا کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: قرآن کریم میں اصل حکم وضو کے لیے پاؤں دھونے کا ہے، لہٰذا اصل حکم ٹخنوں تک پاؤں کو دھونا ہے لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ میں یہ حکم آ گیا کہ خفین (چمڑے کے موزوں) پر مسح بھی جائز ہے اور ''خف'' اس زمانے میں چمڑے کے ہوتے تھے لہٰذا چمڑے کے موزوں پر مسح بھی جائز ہے کہ ایک مرتبہ وضو کر کے آپ نے چمڑے کے موزے پہن لیے تو چوبیس گھنٹے تک ہر وضو میں انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان پر مسح کافی ہے، چوبیس گھنٹے کے بعد موزے اتار کر وضو میں پاؤں دھو لیں اور پھر موزے پہن لیں، مسافر کے لیے تین دن تین رات تک ایسا کرنا جائز ہے، صورتحال یوں ہوگئی کہ وضو میں اصل حکم پاؤں دھونے کا ہے اور احادیث متواترہ (یعنی ایسی احادیث جن کو روایت کرنے والے صحابہ کرام اور ان کے بعد سے اب تک کے لوگ ہر زمانے میں اتنی بڑی تعداد میں رہے ہیں کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا محال ہے) سے پتہ چلا کہ خفین پر مسح بھی جائز ہے اور یہ بھی پاؤں دھونے کے قائم مقام ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ احادیث متواترہ سے جو استثناء نکلا ہے وہ (خفین) چمڑے کے موزوں کے لیے ہے، کپڑے کی جرابوں کے لیے نہیں اس لیے جرابوں کا حکم وہی رہے گا جو پہلے تھا یعنی ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ محققین فقہاء کا یہی فتویٰ ہے، ہمارے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ ہے اور اس میں مفصل دلائل سے اس بات کو واضح اور ثابت کیا گیا ہے کہ چمڑے کے موزے ہوں یا چمڑے جیسی کوئی چیز ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے اور اگر وہ چمڑا نہیں ہے اور چمڑے جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے بلکہ کپڑا وغیرہ ہے کہ اس میں پانی جذب ہو جاتا ہے یا لاسٹک کے بغیر وہ کھڑا نہیں رہتا تو اس پر مسح جائز نہیں۔

اس کے برخلاف بہت سے علماء کا موقف یہ ہے کہ کپڑے کی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں، میں نے والد ماجد سے سنا کہ وہ اس کو جائز کہتے تھے، بلکہ اُن کا واقعہ جو میں نے اپنے والد ماجد سے سنا وہ بھی عرض کر دوں، والد صاحب کا فتویٰ تو یہ تھا کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں، چونکہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی والد صاحب ہی تھے اس لیے دارالعلوم دیوبند سے بھی فتویٰ عدم جواز کا جاتا تھا، جبکہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اونچے درجے کے عالم اور محدث تھے وہ والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کے اگرچہ استاذ تو نہیں تھے لیکن والد صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ میں نے ان سے کچھ پڑھا نہیں ہے لیکن وہ میرے ایسے ہی بڑے اور بزرگ ہیں جیسے کہ میرا کوئی استاذ ہو، وہ جرابوں پر مسح کو جائز کہتے تھے اور مسح کرتے بھی تھے۔

والد صاحبؒ نے خود یہ واقعہ سنایا کہ ایک سفر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ تھا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت مدنیؒ نے جرابوں پر مسح کیا جبکہ میں نے پاؤں دھوئے اور جب وضو کر کے فارغ ہوئے تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کے نزدیک تو میری نماز نہیں ہوگی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں میرے نزدیک آپ کی

نماز نہیں ہوگی اور میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا بھی نہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی یہ سوچ لیا تھا کہ آج ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی بزرگانہ باتیں ہیں کہ ایک دوسرے کا احترام بھی بہت کرتے تھے لیکن شرعی مسئلہ اپنی جگہ ہوتا تھا۔

(۵) کسی بزرگ کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا استعمال:

سوال: اشتہار میں آپ کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا لفظ لکھا گیا ہے جبکہ یہ لفظ اللہ کے سوا کسی کے نام کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے اس لیے آپ اعلان فرما دیں کہ کسی آدمی کے نام کے ساتھ ''دامت برکاتہم'' کا لفظ نہ لکھا جائے۔

جواب: پہلے یہ سمجھ لیں کہ ''دامت برکاتہم'' کا مطلب کیا ہے، یہ ایک دعائیہ کلمہ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں کو ہمیشہ قائم رکھے، اس میں شرک کی کوئی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جا رہی ہے کہ یا اللہ اس آدمی کی برکتیں آئندہ بھی قائم رکھ، ہمیں تو ہر مسلمان کے لیے دعا کرنی چاہیے اس لیے اس میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے۔

(۶) کافر کا ذبیحہ:

سوال: کوئی کافر اگر اسلامی طریقہ سے جانور ذبح کرے تو کیا وہ کھانا حلال ہوگا یا صرف مسلمان ہی کا ذبیحہ حلال ہے؟

جواب: کافروں کی دو قسمیں ہیں: اہل کتاب اور دوسرے غیر اہل کتاب۔ اہل کتاب سے مراد عیسائی اور یہودی ہیں ان کے ذبیحہ کا حکم الگ ہے اور باقی کافروں کے ذبیحہ کا حکم الگ ہے، جو غیر اہل کتاب ہیں یعنی نہ یہودی ہیں، نہ عیسائی اور کافر ہیں ان کا ذبیحہ تو کبھی بھی حلال ہو ہی نہیں سکتا، اور جو یہودی اور عیسائی ہیں اگر وہ صرف نام کے یہودی اور عیسائی نہیں ہیں یعنی صرف نسلی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی نہیں کہتے

بلکہ اپنے مذہب کو مانتے ہیں اور اللہ کے وجود کے قائل ہیں مثلاً عیسائی اگر اللہ کے وجود کے قائل ہوں (اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہوں) انجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہوں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، اگر یہ اپنے مذہب کے مطابق جانور ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور اگر اپنے مذہب کے مطابق ذبح نہ کریں تو جس طرح مسلمان اگر اپنے مذہب کے مطابق ذبح نہ کرے تو جانور حلال نہیں ہوتا اسی طرح ان کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال نہ ہوگا۔

اور اگر وہ ایسے یہودی اور عیسائی ہیں کہ اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی صرف خاندانی طور پر کہتے ہیں، وہ اللہ کے وجود ہی کے قائل نہیں، انجیل اور تورات کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو نہیں مانتے، یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں تو درحقیقت یہ عیسائی یا یہودی نہیں ہیں اور اہل کتاب نہیں ہیں۔ اس لیے ایسے یہودی اور عیسائیوں کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

(۷) قرآن وحدیث میں تحقیق یا تحریف:

سوال: قرآن وحدیث میں نئی تحقیق کی اسلام میں کہاں تک اجازت ہے؟ کیا صرف تقلید ضروری ہے یا مزید تحقیق بھی کی جاسکتی ہے؟

جواب: قرآن وحدیث میں تحقیق کا سلسلہ جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا لیکن تحقیق کا کام وہی لوگ کریں گے جو اس کے اہل ہوں جبکہ ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا، میں نے امریکہ میں ایک بیماری یہ بھی دیکھی ہے (اللہ تعالیٰ اس بیماری سے نجات عطا فرمائے) کہ یہاں کے مسلمانوں کو دینی مسائل کے بارے میں "I Think" یعنی ''میرا خیال ہے'' (کہنے) کی بیماری لگی ہوئی ہے کہ کوئی شرعی مسئلہ پیش آیا تو جس کا دل چاہا اس نے "I Think" کہہ کر جواب دینا شروع کر دیا اگرچہ علم دین کی اُن صاحب کو ہوا بھی نہ لگی ہو۔ یہ بیماری امریکا میں عام ہوگئی ہے اور اس پر مزید یہ کہ مسئلہ کی دلیل بھی پوچھتے ہیں کہ صاحب اس کی دلیل کیا ہے؟

اسلام میں تحقیق کرنے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تحقیق کرنے والے میں تحقیق کی اہلیت ہو، تحقیق کی جو شرائط ہیں وہ اس میں پائی جائیں، اگر کوئی قرآن کریم پر تحقیق کرے تو کم ازکم اس کو عربی زبان کا ماہر ہونا چاہیے، لاکھوں کی تعداد میں جو احادیث ہیں اُن کا بڑا حصہ جو قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق ہے وہ اس کے علم میں ہونا چاہیے، اور صحابہ کرام اور بعد کے محققین نے قرآن کریم کی جو تفسیر کی ہے وہ اس کے علم میں ہونی چاہیے، جب ان علوم پر اس کو دسترس ہو پھر مزید آگے تحقیق کرے تو نور علی نور ہے ہمیں بھی اس سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن صورتحال یہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کریم پر تحقیق کرنے لگ جاتے ہیں جبکہ عربی زبان جانتے نہیں، حدیثیں پڑھی نہیں، قرآن کریم کو صحیح تلفظ سے پڑھ نہیں سکتے اور قرآن کریم میں "I Think" کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ I Think کوئی تحقیق نہیں ہے بلکہ یہ اسلام میں تحریف ہے اور قرآن کریم کے ساتھ مذاق ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے نجات عطا فرمائے۔

آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس پیغام کو دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں کہ اسلام کے بارے میں I Think اس وقت کہیں جب آپ کے اندر I Think کہنے کی صلاحیت موجود ہو، اسلام کی معلومات آپ نے حاصل کی ہوں، کچھ سال اس کام کے اندر آپ نے لگائے ہوں۔

آج ہی ایک صاحب ھیوسٹن سے ٹیلیفون پر مسئلہ پوچھ رہے تھے، کسی مسجد میں کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہوگا تو انہوں نے مجھ سے مسئلہ پوچھا، میں نے کہا یہ سنت کے مطابق تو نہیں ہے لیکن نماز ہو جائے گی کہنے لگے کہ اچھا یہ تو بتایئے کہ اس کی کوئی دلیل ہے؟ کون سی حدیث میں آیا ہے؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ نماز نہیں ہوگی۔ میں نے کہا، میں آپ کو دلیل ضرور بتاؤں گا، آپ آکر ہمارے یہاں دارالعلوم میں داخلہ لیجئے، میرے درس میں آیئے، درس میں استاذ کا کام یہی ہوتا ہے کہ شاگرد کو پوری تفصیل سے دلیل کے ساتھ بات کو سمجھاتا ہے، اگر آپ کلینک جا کر

کسی ڈاکٹر سے کہیں کہ آپ نے جو نسخہ تجویز کیا ہے میرے خیال میں تو وہ درست نہیں۔ ذرا اس کی دلیل بھی دیجئے کہ آپ نے یہ دوا کیوں دی ہے فلاں دوا کیوں نہیں دی؟ تو وہ آپ کو کلینک سے باہر چلے جانے کا مشورہ دے گا۔ کیونکہ اس سوال کی جگہ میڈیکل کالج ہے۔ میڈیکل کالج میں داخلہ لیجئے وہاں پر دلیل بتانا استاذ کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اگر آپ کو مجھ سے مسئلہ پوچھنا ہے تو میری بات پر اعتماد کیجئے اور اگر دلیل پوچھنی ہے تو دارالعلوم میں داخلہ لیجئے، سولہ سال وہاں علم حاصل کریں، انشاء اللہ دلائل سے آپ کا پیٹ بھر دیا جائے گا۔

(۸) اسلام اور مسئلہ غلامی:

سوال: غلامی کے مسئلہ میں اسلام کیا کہتا ہے؟ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے تو وہ دوسرے کا غلام کیونکر ہو گا؟

جواب: یہ بڑا تفصیل طلب مسئلہ ہے اگر اسی سوال کا جواب میں تفصیل سے دوں تو اس کے لیے کم از کم ایک گھنٹہ چاہیئے بظاہر یہ اس کا موقع نہیں، اس موضوع پر میری ایک تقریر بھی چھپی ہوئی ہے، دارالعلوم ہی میں بدھ کے دن عوام کے لیے ایک اجتماع ہوتا ہے جس میں خواتین بھی آتی ہیں اور مرد بھی، اسی اجتماع میں اس موضوع پر میری تین چار تقریریں تین چار ہفتوں تک ہوتی رہیں ان کو لاہور کے ایک ادارے نے کتابی شکل میں ''اسلام میں غلامی کا تصور'' کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے کی صورت میں شائع کیا ہے جو آپ آدھے گھنٹے میں بھی پڑھ سکتے ہیں، میرے پاس اس رسالے کا ایک نسخہ ہے، دارالہدیٰ (اسپرنگ فیلڈ، واشنگٹن) کے سربراہ محترم جناب عبدالحمید صاحب کو میں کچھ کتابیں پیش کروں گا جن میں انشاء اللہ وہ رسالہ بھی ہوگا اس لئے جن صاحب نے یہ سوال کیا ہے وہ اس رسالے کی فوٹو کاپی محترم جناب عبدالحمید صاحب سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اسلام میں غلامی کو پسند نہیں کیا گیا اور اسلام سے قبل

غلامی بنانے کی جتنی آزادی اور چھوٹ تھی اسلام نے اس پر سخت پابندیاں عائد کر کے صرف ایک صورت برقرار رکھی ہے کہ جہاد میں کوئی غیر مسلم قید ہو جائے تو اس کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور غلام بنانے کے باوجود بھی اُن کے ساتھ وہ ظالمانہ سلوک اسلام نے کسی حال میں جائز نہیں رکھا جو آجکل ''کیوبا'' میں افغانستان کے مسلمان قیدیوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اسلام نے غلام کو لفظ غلام تو دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو بھائی بنا کر رکھا ہے، چنانچہ اسلام میں یہاں تک تعلیم دی گئی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی غلاموں کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی انہیں پہناؤ، اور غلاموں کی آزادی کے اتنے راستے رکھے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی مالک بھولے سے بھی اپنے کسی غلام کو کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' یا اس کے ہم معنیٰ کوئی لفظ بول دے تو غلام فوراً آزاد ہو جائے گا پھر وہ مالک لاکھ روکے کہ یہ لفظ میری زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا ہے یا میرا ارادہ آزاد کرنے کا بالکل نہیں تھا، یا یوں کہے کہ میں نے یہ لفظ صرف مذاق میں بولا تھا تو مالک کی یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جائے گی، شریعت کا قانون یہ ہے کہ غلام فوراً آزاد ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر غلام بھی کہے کہ واقعی اس کی نیت آزاد کرنے کی نہیں تھی اس لیے میں آزاد نہیں ہوا، یا غلام کہے کہ اگر میں آزاد ہو گیا ہوں مگر میں اب دوبارہ اس کا غلام ہونا چاہتا ہوں، تب بھی وہ آزاد ہی رہے گا دوبارہ اپنی مرضی سے بھی غلام نہیں بن سکتا۔ پھر روزے کا کفارہ، قسم کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قتل کا کفارہ، ان سب کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا حکم ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ تعلیم بھی دی کہ اگر کسی مالک نے اپنے غلام کی پٹائی کی یا تھپڑ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے غلام کی پٹائی کر دی تھی جس سے اس کے جسم پر نشان پڑ گیا تھا تو اس کو فوراً آزاد کر دیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا، یا کوئی اور چیز ماری تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

(صحیح مسلم، باب صحبۃ الممالیک۔ حدیث نمبر ۴۱۷۴)

جنگی قیدیوں کے ساتھ دونوں جنگ عظیموں میں جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا وہ انسانیت کے نام پر انتہائی بدنما داغ ہے جبکہ اسلام میں جنگی قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک ہرگز جائز نہیں چنانچہ تاریخ اسلام دیکھ لیں کہ یہی غلام آزاد ہوکر بادشاہ بھی بن گئے، باندی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا ہارون الرشید کا بیٹا ماٗمون الرشید عالم اسلام کا ''امیرالموٗمنین'' (خلافت عباسیہ کا مشہور خلیفہ) بن گیا۔ اسلام نے غلام کے لیے لفظ تو غلام کا رکھا لیکن حقیقت میں اس کو اتنی عزت اور آزادی دی کہ دوسرے مذاہب اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ کہ جنگی قیدیوں کو غلام یا باندیاں بنانے کا جواز بھی صرف اس وقت تک ہے جب ہمارا دوسری قوموں سے غلام نہ بنانے کا کوئی معاہدہ نہ ہو، لیکن کسی قوم سے اگر ہمارا معاہدہ ہو جائے کہ اگر ہماری جنگ ہوگی تو جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو پھر غلام بنانا جائز بھی نہیں ہوگا جیسا کہ اقوام متحدہ کے معاہدوں میں غلام نہ بنانے کا معاہدہ بھی شامل ہے تو جو ملک اور جو قوم اقوام متحدہ کی رکنیت قبول کر چکی ہے یا کرے گی۔ اسلامی شریعت کی رو سے وہ اس بات کی پابند ہوگی کہ وہ رکن ممالک کے جنگی قیدیوں کو غلام یا باندیاں نہیں بنا سکے گی۔ اس طرح ہم مسلمانوں کے لیے بھی جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہ ہوگا۔

(۹): زیادہ عرصے کے لیے گھر سے باہر رہنا:

سوال: رائے ونڈ سے دو دو سال کی تشکیل ہوتی ہے جبکہ اس عرصے میں ان حضرات کے بیوی بچے پریشان ہوتے ہیں کیا اتنا عرصہ گھر سے باہر رہنا صحیح ہے؟

جواب: مسلسل اتنا عرصہ گھر سے باہر رہنا مناسب نہیں اس کے بہت سے مضر اثرات ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، دوسروں کی اصلاح تو بعد میں فرض ہے پہلے اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے دین و ایمان کو بچانے کا مسئلہ ہے جب آدمی دو سال تک بیوی بچوں سے غائب رہے گا تو ان کے حقوق کون ادا کرے گا؟ ان کی تعلیم و

تربیت کا انتظام کون کرے گا؟ اور ان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ اس لیے یہ طریقہ مناسب نہیں، چنانچہ میدان جہاد میں جب مجاہدین کو چار مہینے ہو جاتے تھے تو حضرت فاروق اعظمؓ ان کو چھٹی دے دیتے تھے کہ گھر جاؤ اور گھر میں کچھ عرصہ رہ کر پھر واپس چلے آؤ۔

(۱۰) عیسائیوں، یہودیوں اور دوسرے کافروں میں فرق:

سوال: عیسائی اور یہودی کافر ہیں یا نہیں؟

جواب: عیسائی اور یہودی کافر ہیں اس میں کوئی شک وشبہ اور اختلاف نہیں، پوری امت کا اس پر اتفاق اور ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ عیسائی اور یہودی کافر ہیں، البتہ یہ کافروں کی وہ قسم ہیں جو اہل کتاب کہلاتے ہیں، باقی کافروں سے اہل کتاب کا صرف دو مسئلوں میں فرق ہے ایک یہ کہ اگر یہ اپنے مذہبی طریقے کے مطابق جانور ذبح کریں تو ان کا حلال ہے اور دوسرا یہ کہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں میں یہ دوسرے کفار کی طرح ہیں، رہی یہ بات کہ کافر کس کو کہتے ہیں؟ تو کافر اس شخص کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو نہ مانے یا ان کی تعلیمات میں سے کسی ایسی تعلیم کا انکار کرے جو یقینی طور پر اس تک پہنچی ہو، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو رسول نہیں مانتا یا رسول تو مانتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی فلاں بات کو نہیں مانتا تو ایسا شخص کافر ہے۔

........❖........
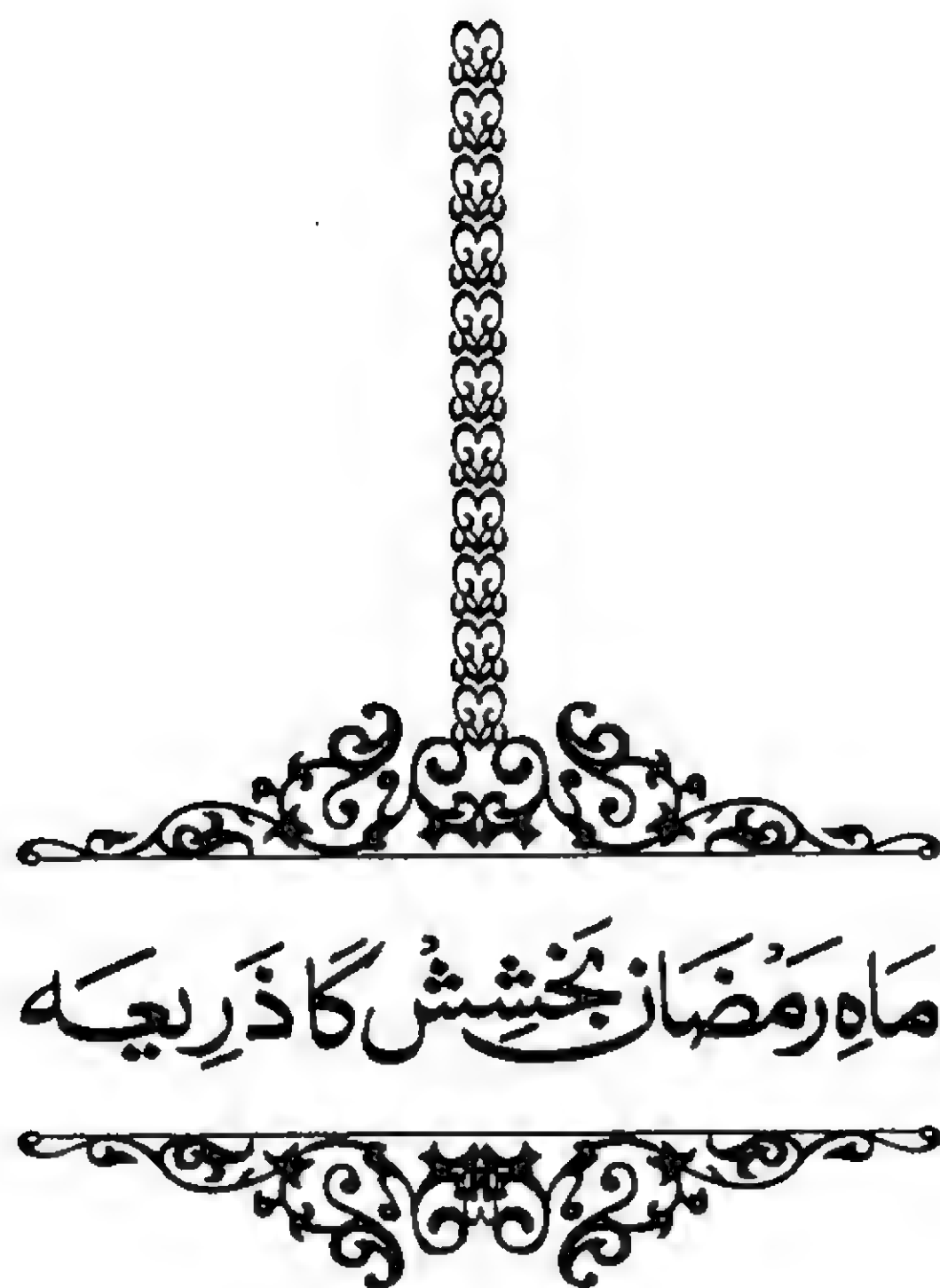
ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ

موضوع:	ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ
خطبات:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی
تاریخ:	۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
ترتیب وعنوانات:	اعجاز احمد صمدانی
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

﴿ماہِ رمضان بخشش کا ذریعہ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْراً یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَل مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شراً یَرَہ. (سورۃ الزلزال)

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز، محترم خواتین اور میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

قبولیتِ دعا کے خاص اوقات:

اللہ رب العالمین کا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں تراویح میں ختم قرآن کی توفیق بخشی ہے۔ ختم قرآن کا موقع قبولیت دعا کا خاص وقت ہوتا ہے بلکہ رمضان المبارک کی ہر رات دعاؤں کی قبولیت کے لیے خاص ہے۔ رمضان کی ہر رات میں مغرب سے لے کر سحری کا وقت ختم ہونے تک اللہ رب العالمین کا ایک منادی پکار پکار کر اعلان کرتا ہے۔

> ''ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اُسے معاف کر دوں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اُسے رزق عطا کر دوں، ہے کوئی مصیبت اور پریشانیوں میں گرفتار عافیت مانگنے والا کہ میں اُسے عافیت عطا کر دوں۔'' (کنز العمال رقم الحدیث: ۲۳۷۰۵)

یہ ندا اس ذات کی طرف سے ہوتی ہے جو مالک الملک ہے۔ کائنات کا خالق ہے۔ جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔

آج کی رات بہت اہم ہے:

ہر رات یہ اعلان ہوتا ہے۔ پھر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر رکھی۔ اس عشرہ کی ہر طاق رات میں یہ امکان ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آج لیلۃ القدر ہو۔ آج کی رات بھی طاق رات ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ختم قرآن کی توفیق بخشی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کی بھی آخری رات ہو کہ کل شام کو عید کا چاند نظر آجائے[1]۔

کچھ معلوم نہیں کہ اگلا رمضان ہم میں سے کس کے مقدر میں ہے اور کس کے مقدر میں نہیں۔ پچھلے رمضان میں ہمارے کتنے ساتھی، رشتہ دار، دوست، عزیز

[1] حضرت مدظلہم نے یہ بیان ۲۹ رمضان المبارک کو فرمایا تھا۔

احباب روزوں اور تراویح میں ہمارے ساتھ تھے لیکن آج وہ ہم سے رخصت ہو کر اپنی منزل پر جا چکے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ اگلے سال ہم میں سے کون وہاں جا چکا ہو گا۔ اس لیے آج کی یہ رات ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اللہ رب العزت سے خوب مانگنے اور ان کے آگے گڑگڑانے کی رات ہے۔

رجب کا چاند دیکھنے پر دعا:

رسول اللہ ﷺ رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهم بَارِکْ لَنَا فِی رَجَبَ وشَعْبَانَ وَبلِّغنَا اِلٰی رَمَضَان.

(مشکوٰۃ)

''اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکتیں عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجیے۔''

''رمضان تک پہنچا دیجیے'' کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رمضان المبارک تک زندہ رکھیے۔

یہ دعا مانگتے تھے سید الأولین والآخرین جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولیں گے۔ جن کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی شفاعت کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ شافع محشر اور صاحب مقام محمود۔ وہ بھی اپنے آپ کو رمضان کی لیل ونہار کا محتاج سمجھتے تھے اور یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ! جب آپ نے ہمیں رجب تک پہنچا دیا تو ہماری دعا یہ ہے کہ ہمیں رمضان تک بھی پہنچا دیجیے۔ تو کچھ بات ہوئی رمضان میں!

رمضان المبارک ...... بخشش کا بہانہ:

آیاتِ قرآنیہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کو آنحضرت ﷺ کی امت کی بخشش کے لیے بہانہ بنایا گیا ہے۔ چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ کر

دیا تھا کہ:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ (سورۃ الضحیٰ)

''ضرور دے گا آپ کو آپ کا رب کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''

اور سرورِ کونین صلی اللہ ﷺ جب سراپا رحمت بن کر تشریف لائے۔ اور آپ اپنی امت کے لیے ایسی رحمت تھے کہ راتوں کو جاگ کر رو رو کر اور بلک بلک کر امت کے لیے اللہ رب العالمین سے دعائیں مانگتے تھے۔ تو کیا آپ اس حال میں راضی ہو جائیں گے جبکہ آپ کا ایک امتی بھی جہنم میں ہو گا، بلکہ جب تک آخری امتی کو بھی جہنم سے نہیں نکلوالیں گے، اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے۔

چونکہ اللہ رب العالمین کو اپنے محبوب محمد ﷺ کو راضی کرنا ہے اور آپ اس وقت راضی ہوں گے جب آپ کی ساری امت جنت میں چلی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کو اللہ رب العزت نے مغفرت اور بخشش کا بہانہ بنایا ہے۔ اس میں بخشش کے کیسے کیسے وعدے کیے گئے! فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے روزے رکھ لیے، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف، جس نے رمضان کی تراویح پوری پڑھ لیں، اس کے پچھے سارے گناہ معاف۔[1] جس نے لیلۃ القدر میں عبادت کر لی، اس کے پچھلے سارے گناہ معاف۔ اور اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینے کی عبادت سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی سال بنتے ہیں اور آج کل کے لوگوں کی عمریں شاذ و نادر ہی ۸۳ سال ہوتی ہیں۔ عام طور پر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان رخصت ہو جاتے ہیں۔

---

[1] پوری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن أبی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صام رمضان ایماناً و احتساباً غُفرلهٗ ماتقدم من ذنبہٖ و من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفرلهٗ ما تقدم من ذنبہٖ و من قام لیلة القدر ایماناً و احتساباً غفرلهٗ ماتقدم من ذنبہ (متفق علیہ) یہاں پر ''رمضان میں کھڑا ہونے'' سے مراد یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھے (کذا فی مظاہر حق ۲/۲۹۵)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کو لیلۃ القدر میں عبادت کرنے کا موقع مل جائے تو گویا اس نے پوری عمر بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ عبادت کر لی یہ سب انعامات دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ اللہ کی طرف سے بخشش کا بہانہ ہی ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک میں اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بڑے بڑے فضائل رکھے گئے۔

روزہ افطار کرانے کی فضیلت:

سید الکونین ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنے کسی مسلمان بھائی کا روزہ افطار کروا دے تو اس کے سارے گناہ معاف۔ اور پھر یہ بھی کہ افطار کرنے والے کو تو اس کے روزے کا ثواب ملے گا ہی، افطار کرانے والے کو بھی ایک روزے کا ثواب دیا جائے گا۔ اور رمضان المبارک میں ایک روزے کا ثواب ستر روزوں کے برابر ہوتا ہے۔ ایک روپے کے صدقے کا ثواب ستر روپے کے صدقے کے برابر ہوتا ہے۔ فجر کی ایک نماز پڑھی تو فجر کی ستر نمازیں پڑھنے کا ثواب۔ غرض یہ کہ ہر عمل کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔

روزہ افطار کرانے کی اتنی بڑی فضیلت سن کر صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا کہ شاید اتنا بڑا ثواب اس صورت میں ملے گا جب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ اس لیے انہوں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے اندر تو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا سکے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ ثواب اس شخص کو بھی دیتے ہیں جو ایک کھجور سے کسی کا روزہ افطار کرا دے اور اس کو بھی دیتے ہیں جو پانی کے ایک گھونٹ سے کسی کا روزہ افطار کرا دے۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی فضیلت:

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جس نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ

میں اعتکاف کر لیا، اسے دو حج اور دو عمروں کا ثواب ملے گا۔ سال بھر میں آدمی صرف ایک ہی حج کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں اور یہاں دس دن میں دو حجوں کا ثواب مل جاتا ہے اور مزید دو عمرے بھی ساتھ ہیں۔ یہ سب کچھ مغفرت کا بہانہ نہیں تو اور کیا ہے؟

لیلۃ القدر کیوں دی گئی؟

لیلۃ القدر بھی اسی طرح کا ایک بہانہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا ذکر فرمایا کہ وہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا۔ اسی حال میں اُس نے ایک ہزار مہینے گزارے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے دل میں حسرت ہوئی کہ پچھلی امتوں کے لوگ تو آگے نکل گئے، ہم اگر پوری عمر بھی عبادت میں لگا دیں تو ان کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تاجدار دو عالم سرورِ کونین ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے "سورۃ القدر" نازل فرما دی تا کہ آپ ﷺ کے دل میں اپنی امت کے بارے میں کوئی حسرت نہ رہے اور امت کا دل بھی یہ سن کر خوش ہو کہ لیلۃ القدر تو ایک ہزار مہینے سے بھی بہتر ہے۔

اس لیے اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے کہ اُس نے اپنے فضل سے ہمیں رمضان المبارک عطا فرمایا، روزے رکھنے کی توفیق دی اور تراویح کے اندر قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائی۔

قرآن مجید کی ایک غیر معمولی فضیلت:

قرآن مجید کا حال یہ ہے کہ یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ شریعت کا عام قانون تو یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیکی کرے گا، اس کا ثواب دس گنا لکھا جاتا ہے مثلاً ایک روپیہ صدقہ کیا تو لکھے جائیں گے دس روپے، ایک ہزار صدقہ کیا تو لکھے جائیں گے دس ہزار، دو رکعتیں پڑھیں تو لکھی جائیں گی بیس رکعتیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (اعراف: ۱۶۰)

''جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔''

ظاہر ہے کہ یہ قانون اس صورت میں ہے کہ جب کوئی ایک نیکی پوری ہو جائے مثلاً دو رکعتیں پوری ہوگئیں تو پھر وہ بیس رکعت کے برابر ہوں گی، اگر درمیان میں سے نماز توڑ دی تو ظاہر ہے کہ اس پر یہ ثواب نہیں ملے گا۔ لیکن قرآن مجید کے معاملے میں حیرت ناک آسانی فرما دی۔ وہ یہ کہ قانون کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں عمل اس وقت پورا ہوگا، جب آیت پوری ہوگی یا کم از کم ایک لفظ پورا ہو جائے گا مثلاً کوئی شخص کہتا ہے ''قل یاایھاالکافرون'' تو یہ عمل اس وقت مکمل ہوتا جب پوری آیت پڑھ لیتا یا کم ازکم ''قل'' کہنے پر عمل مکمل ہوتا۔ لیکن فرمایا گیا کہ نہیں، قرآن مجید اس قانون میں اور زیادہ آگے ہے، وہ یہ کہ ابھی عمل پورا نہیں ہوا، قل کا صرف ''ق'' پڑھا تو بھی دس نیکیاں ہوگئیں۔ اس کے بعد جب ''لام'' پڑھا تو دس نیکیاں اور مل گئیں چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿لَا أَقُولُ الٓمٓ حَرْفٌ، لٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ﴾ (مشکوٰۃ)

''میں یہ نہیں کہتا کہ پورا ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔''

ایک حرف کے بدلے سو نیکیاں............!

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک حرف پر دس نیکیاں تو اس صورت میں ملتی ہیں کہ جب آدمی قرآن شریف بغیر وضو کے پڑھے۔ (بغیر وضو قرآن مجید کو چھونا تو جائز نہیں لیکن پڑھنا جائز ہے) لیکن اگر وضو کی حالت میں قرآن مجید پڑھے گا تو ایک حرف پر پچیس نیکیاں اور اگر نفل نماز میں

بیٹھ کر پڑھے گا تو ایک حرف پر پچاس نیکیاں اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے گا تو سو نیکیاں۔ جب نفلوں کا یہ حال ہے تو فرض نمازوں کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

کیسا بد بخت ہے وہ انسان جس کی رمضان المبارک میں بھی بخشش نہ ہوئی!

ان تمام انعامات اور خوشخبریوں کے ساتھ ساتھ ایک چیز ایسی ہے جو بہت فکر میں ڈالنے والی ہے۔ دانشمندی اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر بھی نظر کی جائے۔ وہ یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَتٰی عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَ لَهٗ.﴾ (ترمذی رقم الحدیث ۳۵۴۵، مسند احمد بن حنبل: ۲/۲۵۴)

"ذلیل و رسوا ہو جائے وہ شخص جس پر رمضان آیا اور چلا گیا اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی۔"

اس حدیث میں اس ذات نے بددعا فرمائی ہے جس نے دشمنوں کی گالیاں سن کر بھی کبھی انہیں بددعا نہیں دی تھی، خود رحمت عالم نے جس شخص کے لیے بددعا فرمائی، اندازہ کیجیے وہ کیسا بد بخت انسان ہو گا۔

اس کا جرم یہ ہے کہ اس پر پورا رمضان المبارک گزر گیا لیکن اس نے اپنی مغفرت نہ کرائی۔ اس کے لیے اتنی سخت وعید کیوں؟ اس لیے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے اتنے راستے کھول رکھے تھے کہ اگر وہ ذرا سی کوشش اور ہمت کر لیتا تو اس کی مغفرت ہو جاتی لیکن یہ اس کی بدبختی کہ رمضان کے دن اور رات گزر گئے لیکن اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا، جس سے اس کی بخشش ہوتی۔

چار قسم کے آدمی جن کی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی:

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں جبرئیل امین فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں اور جو شخص بھی عبادت کر رہا ہوتا

ہے، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس کے لیے دعا فرماتے ہیں۔ جب واپس جانے لگتے ہیں تو ملائکہ جبرئیل امین سے پوچھتے ہیں کہ یہ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں امت محمدیہ ﷺ کو کیا دیا؟ جبرئیل امین فرماتے ہیں کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر یہ انعام کیا کہ انہیں بخش دیا سوائے چار قسم کے آدمیوں کے۔

گویا یہ چار قسم کے بدبخت آدمی وہ ہیں کہ لیلۃ القدر میں بھی ان کی بخشش نہیں ہوئی۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ ڈر گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلا وہ شخص جو شراب کا عادی ہو۔ دوسرا وہ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا ہو، (بدسلوکی میں یہ بھی داخل ہے کہ ماں باپ کے سامنے بلند آواز سے بولے)

والدین رمضان المبارک سے بھی بڑا بخشش کا ذریعہ ہیں:

والدین کی نافرمانی کرنے کے لیے آپ ﷺ نے الگ سے بھی یہ بددعا فرمائی کہ ذلیل و رسوا ہوا وہ شخص جس کو ماں باپ کا بڑھاپا ملا، پھر بھی اس نے بخشش نہ کرائی۔ کیوں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کو بخشش کا ایسا ذریعہ بنایا تھا کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک سے بھی زیادہ بخشش کا ذریعہ ماں باپ ہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ کو ایک مرتبہ محبت کی نظر سے دیکھنے پر ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔ اعتکاف میں تو دس دن میں بیٹھنے سے دو حج کا ثواب ملتا ہے جبکہ یہاں ایک نظر پر ایک حج کا ثواب مل رہا ہے۔ دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب ملے گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے ''ماں باپ تمہارے لیے جنت کا دروازہ ہیں۔'' ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ''ماں باپ تمہارے لیے جنت بھی ہیں، دوزخ بھی ہیں۔'' مراد یہ کہ اگر ان کی خدمت کر کے انہیں بخشش

کا ذریعہ بنالو گے تو جنت مل جائے گی۔ اگر نہیں بناؤ گے تو جہنم ٹھکانہ ہوگا۔

صلہ رحمی نہ کرنے والے کی بھی بخشش نہیں ہوتی:

تیسرا شخص جس کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی وہ یہ کہ جو رشتے داروں کے ساتھ تعلقات کو کاٹتا ہے۔

صلہ رحمی شریعت کا ایسا ہی فریضہ ہے جس طرح نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ۔ صلہ رحمی کیا ہے؟ رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اچھے سلوک میں یہ داخل ہے کہ ان سے ملنے کے لیے جائیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ اگر انہیں کوئی پریشانی ہو تو ان کی مدد کریں، بیمار ہوں تو عیادت کرو، ان کی کوئی خوشی ہے تو اس خوشی میں شریک ہو جاؤ۔ انہیں خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی کوئی تحفہ دے دو یا کوئی ایسی بات کر دو جس سے وہ خوش ہو جائیں۔

جس طرح نماز چھوڑنا حرام ہے، اسی طرح رشتے داروں سے تعلق کو توڑنا بھی حرام ہے۔ گناہِ کبیرہ ہے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿لایدخل الجنة قاطع.﴾ (مشکوٰۃ)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

قطع رحمی کا مرض کینسر کی طرح پھیل چکا ہے:

آج ہمارے معاشرے میں یہ بیماری کینسر کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے دین اور دنیا کو برباد کر رہی ہے۔ ''میاں! میں تو اس سے بات بھی نہیں کرتا، فلاں میرا بھانجا ہے، فلاں بھتیجا ہے، فلاں میرا بھائی ہے، فلاں میری بہن ہے لیکن میں اُن کے گھر میں قدم بھی نہیں رکھوں گا۔'' قدم نہیں رکھے گا اور بات نہیں کرے گا تو اپنا ہی بگاڑے گا، کسی دوسرے کا کیا بگاڑے گا۔ جب تک اپنی ''انا'' کو نہیں توڑو گے، جنت کا راستہ نہیں کھلے گا۔ رشتے دار خواہ بدکار ہو، گنہگار ہو، فاسق و فاجر ہو پھر بھی اس کا حق ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ رشتے دار کے ساتھ خندہ

آنا جانا رکھنا بھی مناسب نہیں تاہم اس سے بائیکاٹ کرنا، بالکل بات چیت نہ کرنا، سلام وکلام چھوڑنا اور قدرت کے باوجود تکلیف کے وقت ان کی مدد نہ کرنا یہ سب قطع رحمی ہے جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

میدانِ حساب میں سب تکبر نکل جائے گا:

یہ سب انانیت اور غرور وتکبر اس وقت نکل جائے گا جب آخرت میں میدان حساب میں پہنچیں گے۔ ایک مرتبہ تاجدارِ کونین ﷺ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میدان حساب میں آپ ہمارا بھی خیال رکھیں گے؟ غور کیجیے کہ پوچھنے والی چہیتی بیوی، صدیق اکبر کی صاحبزادی اور خود صدیقیت کے مرتبے پر فائز اور جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ رحمت عالم۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ آخرت کے میدان حساب میں تین موقع ایسے ہوں گے کہ وہاں کسی کو کسی کی ہوش نہیں ہوگی۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

ایک وقت وہ جب اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا۔ جب تک نیکیوں کا پلڑا نہ جھک جائے۔ اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ دوسرا وقت وہ جب اعمالنامے اڑ کر لوگوں کے پاس آئیں گے تو جب تک اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں نہ مل جائے اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا، اور تیسرا وقت وہ جب پل صراط سے گزر ہوگا، اس وقت بھی کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

قطع رحمی کی ایک شدید وعید:

پل صراط جہنم پر بچھائی گئی ایسی پل ہے جس کی مسافت پانچ سو برس کے برابر ہے۔ اس پر سے بہت سے لوگ اس طرح گزر جائیں گے جس طرح بجلی کا کرنٹ گزرتا ہے۔ اور بہت سے لوگ اس طرح گزریں گے جس طرح پرندے اڑ کر گزرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس طرح گزریں گے جس طرح تیز رفتار سواری گزرتی ہے۔ اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے ان کی رفتاریں ہوں گی۔ فرمایا کہ جہنم

میں کلالیب (آنکڑے) ہوں گے جو پل صراط کے اردگرد کھڑے ہوں گے اور جس جس نے رشتے داروں کا حق مارا ہوگا، وہ انہیں اچک اچک کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ یہ کتنے خطرے کی بات ہے۔ رشتے داروں کا کتنا حق ہے۔

مایوسی کی بات نہیں:

الحمدللہ، ہم نے بشارتوں کی بہت سی حدیثیں سنی اور پڑھی ہیں اور بلاشبہ وہ بالکل حق ہیں لیکن یہ حدیثیں بھی ہیں۔ ابھی توبہ کا موقع ہے۔ مایوسی کی بات نہیں اور ابھی رمضان المبارک کے ختم ہونے میں تقریباً چوبیس گھنٹے باقی ہیں، اور توبہ کے لیے ایک منٹ بھی کافی ہوتا ہے۔ ابھی وقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی رات رمضان المبارک کی آخری رات ہو بلکہ ممکن ہے کہ ہماری زندگی کے رمضان کی بھی آخری رات ہو۔

آسان راستہ:

اگر کسی رشتے دار سے رنجش ہے، آنا جانا بند ہے، قطع تعلق کر رکھا ہے تو اس کے پاس چلے جائیں۔ نہیں جاسکتے تو ٹیلی فون کرلیں یا فیکس کرلیں یا موبائل فون کرلیں وغیرہ۔ اور میں آپ کو اس کام کے کرنے کا آسان راستہ بتاتا ہوں۔ اگر یہ بحث کرنا چاہو کہ غلطی کس کی تھی؟ تو یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔ آسان معاملہ یہ ہے کہ آپ یوں کہیں کہ دیکھو بھئی، ہمارے اور تمہارے تعلقات خراب رہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیثیں معلوم ہوئی ہیں (اور پھر وہ حدیثیں سنا دو جو اوپر بیان ہوئیں) اپنے آپ کو آگ سے بچانے کے لئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہو، وہ معاف کردو اور اگر تجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ میں نے معاف کردی۔ میں نے بھی اللہ کے لیے معاف کیا تم بھی اللہ کے لیے معاف کردو تاکہ میری بھی بخشش ہوجائے اور آپ کی بھی بخشش ہوجائے اور اگر وہ کہے کہ میں معاف نہیں کرتا، تب بھی آپ کہہ دیں کہ میں نے معاف کردیا۔

معافی مانگنے سے عزت بڑھے گی۔

اور یاد رکھئے، معافی مانگنے سے عزت خراب نہیں ہوگی بلکہ عزت بڑھے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفعهُ اللّٰهُ﴾ (مسند احمد بن حنبل: ۳/۷۶)

''جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے۔''

اس لیے اگر آپ اللہ کو راضی کرنے کے لیے اپنے راشتے داروں سے معافی مانگیں گے تو اس سے انشاء اللہ، آپ کی عزت میں اضافہ ہوگا۔

کچھ نہ کچھ غلطی آپ کی بھی ضرور ہوگی!

اور یاد رکھئے کہ یہ ہرگز نہ سوچئے کہ ساری غلطی تو اس کی ہے، میں کیوں معافی مانگوں؟ کچھ نہ کچھ غلطی آپ کی بھی ضرور ہوگی، تالی ایک ہاتھ سے کبھی نہیں بجتی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی غلطیاں زیادہ ہوں، تمہاری کم ہوں تو تمہاری ان تھوڑی غلطیوں کی وجہ سے تمہاری گردن پکڑی جاسکتی ہے۔ اس سے تو اپنے آپ کو بچاؤ۔

کینہ رکھنے کی وعید:

چوتھا شخص جس کی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی، وہ ہے جو کسی سے کینہ رکھتا ہو۔ بعض لوگوں کے دلوں میں کسی کے خلاف کینہ ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو، اسے جوتے پڑیں تاکہ ہمارا دل خوش ہو جائے۔ ایسے شخص کی بھی لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی۔ جب لیلۃ القدر میں بخشش نہیں ہوتی تو باقی رمضان المبارک میں کیسے ہوگی!

وہ لوگ جنہیں روزے سے بھوکے رہنے کے سوا کچھ نہیں ملتا:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿رب صائم ليس له من صيام الا الجوع ورب قائم

لیس له فی القیام الا السّهر﴿ (ابن ماجہ و نسائی)

''بعض روزے دار ایسے ہیں کہ انہیں روزے سے سوائے بھوک کے کچھ نہیں ملتا اور بعض راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سوائے جاگنے کے کچھ نہیں ملتا۔''

علماء نے لکھا کہ جنہیں روزے سے بھوک کے سوا کچھ نہیں ملتا یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں لیکن افطار حرام مال سے کرتے ہیں۔ رشوت کا مال ہے، چھینا ہوا مال ہے، ڈاکے کا مال ہے، بھتے کا وصول کیا ہوا ہے، سود کا پیسہ ہے، سودی کام کی تنخواہ کا پیسہ ہے۔ جو لوگ سود کے معاملات لکھتے ہیں، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبٰوا ومُوكِلَه‘ و كَاتِبَه‘ وَشَاهِدَيْهِ﴾

(مسلم)

''اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے، سود کا معاملہ رکھنے والے پر اور سود کے معاملے پر گواہ بننے والے پر بھی۔''

لہٰذا جو شخص بینکوں کے اندر سودی کام کر رہا ہے، وہ حرام کام کر رہا ہے اور اسے جو تنخواہ مل رہی ہے، وہ بھی حرام مل رہی ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! ہم تو محنت کر کے تنخواہ لیتے ہیں، مفت میں تو نہیں لے رہے۔ میں ان کو جواب دیا کرتا ہوں کہ فاحشہ عورت جو پیسے کماتی ہے، وہ بھی تو محنت کر کے کماتی ہے۔ یاد رکھئے کہ ہر محنت کی کمائی حلال نہیں۔ سود کی کمائی ایسی ہی حرام ہے جیسے سور کا گوشت حرام ہے۔

سود کے علاوہ ہمارے ہاں حرام کمائی کے اور بہت سے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ تجارت میں نمبر دو مال چل رہا ہے، ناپ تول میں کمی، دھوکہ بازی، جھوٹ بول کر چیزیں فروخت کرنا، اور کام چوری (تنخواہ پوری لے لینا اور ڈیوٹی پوری

نہ دینا) یہ سب حرام ہے۔

اور ایک تفسیر علماء نے یہ کی کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو رمضان المبارک میں روزہ رکھتے ہیں اور غیبت نہیں چھوڑتے۔ تو یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ روزہ بھی رکھا، محنت بھی کی لیکن حصے میں کچھ نہ آیا، راتوں کو جاگے بھی لیکن حصے میں کچھ نہ آیا۔

صدقِ دل سے توبہ کریں:

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں میں نہ کریں۔ توبہ کا موقع ہے خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہے تو وہ صدقِ دل سے توبہ کرے، انشاء اللہ نوازا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

........❖........

دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں اُن کی ضرورت
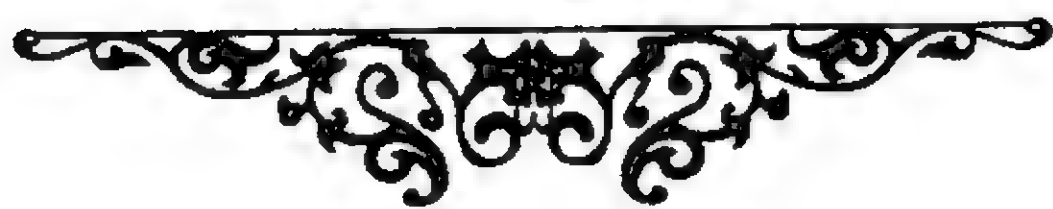
موضوع: دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: دارالعلوم نیویارک، امریکہ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴾دینی مدارس کی اہمیت اور مغربی دنیا میں ان کی ضرورت﴿

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً۔

امابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ

رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍO

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

میرے لیے یہ بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ نیویارک میں قائم ہونے والے اس دارالعلوم میں کئی سالوں سے تقریباً ہر سال حاضری ہو رہی ہے۔ میں اس حاضری کو واقعۃً اپنے لیے بہت بڑا سرمایۂ حیات سمجھتا ہوں اس لیے کہ جس بے سروسامانی اور مشکل حالات میں اور جن رکاوٹوں کو دور کر کے ان حضرات نے یہ دارالعلوم قائم کیا ہے، دل چاہتا ہے کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت ان حضرات کو دوں۔ اس وقت تو آپ کو چھوٹے سے چند کمرے نظر آرہے ہیں۔ ان بیچاروں کے پاس بے سروسامانی ہی کا سامان ہے۔ نجانے کن کن مشکلات سے گزر کر انہوں نے یہ جگہ حاصل کی۔ اب اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسری جگہ عطا فرمائی ہے۔

نامور دینی اداروں کا آغاز عام طور پر بے سروسامانی کی حالت میں ہوا:

کچھ بعید نہیں کہ اللہ رب العالمین اس ادارے کو اس مغربی دنیا میں اسلامی علوم کا گہوارہ بنا دے قرآن و سنت کی روشنی یہاں سے پھیلے اور یہ دارالعلوم مینارۂ ہدایت بنے۔ جتنے بھی دینی اداروں نے دنیا میں اسلامی علوم کی ترویج میں تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے، ان کا آغاز ہمیشہ بے سروسامانی سے ہوا۔

اسلام کی پہلی درسگاہ انتہائی صبر آزما حالات میں قائم ہوئی:

اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ انتہائی صبر آزما حالات میں مکہ مکرمہ میں "دارارقم" کے نام سے قائم ہوئی جو دراصل حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا۔

آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعے جو تعلیم دی جا رہی ہے، قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اسے آپ آگے سکھائیں، اس کی تعلیم دیں۔ چنانچہ جو آیت میں نے خطبے میں تلاوت کی، اس میں آپ ﷺ کا یہی فریضہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إذ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِم آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران، ۱۶۴)

”خدا نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے چار کام لگائے گئے:

اس آیت میں بتایا کہ آپ ﷺ کے ذمے چار کام لگائے گئے۔

پہلا کام یہ کہ آپ قرآن مجید کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی قران مجید کی تلاوت صحیح طریقے سے کرسکیں۔ یہ الفاظ قرآن کی تعلیم تھی جو ہمارے مکاتب قرآنیہ میں ہوتی ہے۔ ناظرہ، حفظ، قرآن وتجوید کی تعلیم کی شکل میں۔

دوسرا کام یہ کہ ان کا تزکیہ کریں، انہیں پاک کریں۔ کس چیز سے پاک کریں؟ غلط عقیدوں سے، برے اعمال سے اور برے اخلاق سے۔ ان کے اندر اچھے اخلاق کی نشوونما کریں، اور ان کے اندر برے اخلاق سے رکنے کی عادت ڈالیں اور دین پر عمل کرنے کی ٹریننگ دیں۔

تیسرا کام یہ بتلایا گیا کہ ”وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ“ (اور انہیں قرآن مجید کی

تعلیم دے)۔ پہلا جو کام بتایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ قرآن مجید پڑھ کر سنائے یعنی اس کے الفاظ سکھائے۔ اب آیا کہ قرآن مجید کی تعلیم دے، یہاں مطلق ہے، یعنی جو کام ابھی نہیں ہوا تھا، وہ کرے۔ الفاظِ قرآن کی تعلیم ہوئی تھی معنی قرآن کی تعلیم بھی دے۔

قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں آیا ہے اور صحابہ کی مادری زبان بھی عربی ہے۔ کتنے صحابہ کرامؓ ایسے ہیں کہ ان کی مادری زبان عربی تھی جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید کے معانی صرف زبان جاننے سے نہیں سمجھے جا سکتے:

صحابہ کرامؓ کی مادری زبان بھی عربی اور قرآن کی زبان بھی عربی لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا کہ آپ معنیٰ قرآن کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی صرف زبان جاننے سے نہیں سمجھے جا سکتے۔ آدمی عربی کا کتنا ہی ماہر ہو جائے، بڑا سے بڑا ادیب، بلیغ اور فصیح ہو جائے لیکن اس وقت تک قرآن نہیں سمجھ سکتا جب تک رسول کی تعلیم اس کے پاس نہ آئے۔

کیا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عربی نہیں جانتے تھے؟ آج کون دعویٰ کر سکتا ہے ان کے برابر عربی زبان جاننے کا۔ یہ لوگ عربی زبان کے زبردست خطیب تھے۔ جن لوگوں سے رسول اللہ ﷺ خطاب فرمایا کرتے تھے، وہ لوگ عربی کے اُدباء اور بُلغاء تھے۔

عربی زبان کی اہم خصوصیات:

ویسے بھی عرب لوگوں کو اپنی زبان دانی پر ناز ہے کیونکہ دنیا میں کوئی اور زبان ایسی نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے، آپ زبان دانی کے ماہرین سے پوچھ سکتے ہیں، وہ آپ کو یہی بتلائیں گے کہ آج تک عربی زبان کی ٹکر کی کوئی زبان

سامنے نہیں آئی۔ اس زبان میں بے شمار کمالات ہیں۔ معانی کے معمولی معمولی فرق کو واضح کرنے کے لیے الفاظ کی بھرمار ہے۔ نئی سے نئی چیز ایجاد ہوتی ہے، اس کا نام پہلے سے عربی میں موجود ہوتا ہے۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں بڑے بڑے مشکل الفاظ سے اس معنی کو تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ عربی میں ایک آسان لفظ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مثلاً ٹیلی فون۔ یہ ایک لمبا لفظ ہے۔ اور جدید ایجاد ہے۔ عربوں میں پہلے سے اگرچہ ٹیلی فون موجود نہ تھا لیکن اس کے لیے ''ھاتف'' کا لفظ پہلے سے موجود تھا۔

اب دیکھئے کہاں ''ٹیلی فون''، کہاں ''ھاتف''! ھاتف چھوٹا سا لفظ ہے، ٹیلی فون کے لفظ کے مقابلے میں کم جگہ لینے والا لیکن اتنے صحیح معنی بیان کرتا ہے کہ ٹیلی فون کے لیے اس سے بہتر کوئی لفظ ہو نہیں سکتا۔

شراب کا لفظ لیجیے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ شراب کے عاشق تھے، تو شراب کی مختلف عمروں کے اعتبار سے اس کے کئی سو نام تھے مثلاً صبح کی شراب کے لیے فلاں لفظ استعمال ہوگا، شام کی شراب کے لیے فلاں لفظ، دن کو پی جانے والی شراب کے لیے فلاں لفظ اور رات کو پی جانے والی شراب کے لیے فلاں لفظ۔ اگر پانی میں ملا کر پی جائے گی تو اور لفظ ہوگا اور اگر خالص بغیر پانی کے پی جائے گی تو اور لفظ۔ اسی طرح گھوڑوں اور اونٹوں کی مختلف عمروں کے اعتبار سے درجنوں نام ہیں۔ ایک سال کا ہے تو یہ نام ہے، دو سال کا ہے تو یہ نام اور اگر تیسرے سال کا ہے تو یہ نام۔

اہل عرب کی اپنی زبان میں مہارت اور اس کے تحفظ کا اہتمام:

اس کے علاوہ ایک اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ اَن پڑھ تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے الا ماشاء اللہ لیکن اس کے باوجود یہ ایسے زبردست ادیب اور شاعر تھے کہ ایک لڑکی کھڑی ہو جاتی اور پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ اشعار کا قصیدہ فی

البدیہہ کہہ جاتی۔

اپنی زبان کے تحفظ کا انہیں اتنا پاس تھا کہ مہمانداری ان کا مزاج ہونے کے باوجود کسی مہمان کو اپنے ہاں تین دن سے زیادہ ٹھہرانا پسند نہیں کرتے۔ اس کی وجہ کنجوسی نہیں تھی بلکہ ان کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ اگر یہ مہمان زیادہ عرصہ رہ گیا تو ہمارے بچے اس کے الفاظ سیکھ لیں گے، ہماری زبان خرب ہو جائے گی۔

اور کچھ تو اس زبان کی بات ہے کہ جنت کی زبان بھی عربی ہو گی، باقی سب زبانیں یہیں رہ جائیں گی، عربی زبان باقی رہے گی۔ اس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے۔

عربی میں مہارت کے باوجود تعلیم قرآن کی ضرورت:

اس زبان میں یہ سارے ماہرین تھے، ایک سے ایک بڑھ کر ماہر تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۃ بقرہ بارہ سال میں پڑھی۔

کیا وہ قرآن مجید کا ترجمہ سیکھ رہے تھے؟ ہرگز نہیں۔ نجانے اس کے اندر کیا معانی و معارف تھے قرآن میں اور کیا حقائق چھپے ہوئے تھے اور کیا باریکیاں تھیں جن کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ اس کے معانی بھی امت کو سکھائیں۔ یہ وہ کام ہے جو آج کل دینی مدارس میں ہو رہا ہے۔ الفاظ قرآن کے ساتھ، اس کے معنی بھی سکھائے جاتے ہیں۔

چوتھا کام:

چوتھا کام یہ تھا کہ ''حکمت سکھائیں۔'' حکمت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یعنی صحابہ کرام اور مفسرین کی بہت بڑی جماعت کے نزدیک یہاں پر حکمت سے مراد ہے ''رسول اللہ ﷺ کی سنتیں''۔ اور سنت سے مراد ہے

آپ ﷺ کا عمل، اور آپ ﷺ کی تعلیمات۔ آپ کی تعلیمات خواہ عمل کے ذریعے آئیں یا زبان سے آئیں، یہ سب ''سنت'' ہیں اور اسی کا دوسرا نام حکمت ہے۔

سنت کو حکمت سے کیوں تعبیر کیا گیا:

یہاں پر سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں سنت کا لفظ استعمال نہیں کیا حالانکہ حکمت سے یہاں سنت مراد ہے۔ اگر یہاں پر حکمت کا لفظ استعمال کرنے کی بجائے سنت کا لفظ استعمال کیا جاتا تو یہ سیدھی سادی بات تھی۔ سنت معروف لفظ ہے۔ لیکن قرآن تو بلیغ ہے، حکمتوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں باریکیاں اور حکمتیں ہیں۔ یہاں پر سنت کے لیے حکمت کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سراسر حکمت ہی حکمت ہے بلکہ دنیا کی ساری حکمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جو بات آپ ﷺ نے امت کو سکھا دی، اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کیے گئے۔

(۱) الفاظ قرآن کی تعلیم۔

(۲) اعمال و اخلاق کا تزکیہ (تربیت)

(۳) معنی قرآن کی تعلیم۔

(۴) سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم۔

ایک بہت بڑی غلطی:

''معنی قرآن کی تعلیم'' کے فریضے پر غور کرنے سے یہ بات خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید سمجھنے کے لیے صرف اس کا ترجمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ ہمارے پاکستان میں یہ بیماری کافی ہے اور یہاں تو شاید اس سے بھی زیادہ ہے کہ

پوری عمر گزری سرکاری اداروں میں ملازمت کرتے ہوئے۔ عربی کا ایک لفظ نہیں سیکھا۔ قرآن پڑھنا نہیں جانتے، انگریزی میں قرآن کا ترجمہ پڑھا۔ خود ہی مطالعہ کیا۔ جب ملازمت سے ریٹائر ہو گئے تو سوال پیدا ہوا کہ کیا کریں؟ بس، تفسیر لکھنے بیٹھ گئے۔ ہمارے پاکستان میں ایک سابق صدر صاحب جو اب بھی پاکستان میں موجود ہیں، وہ فارغ ہونے کے بعد اب تفسیر لکھ رہے ہیں۔

گویا قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ایک معمولی بات ہے۔ قرآن مجید پر حکم چلاؤ۔ جو چاہو لکھ مارو۔ نہ رسول اللہ ﷺ کی کسی تعلیم کی ضرورت نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت، صرف ترجمہ دیکھو اور لکھو۔ اگر ترجمے ہی سے قرآن سمجھا جا سکتا تھا تو ابوبکر صدیق اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ سے قرآن سیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ فاروق اعظم نے سورۃ بقرہ کے سیکھنے میں بارہ سال کیوں لگائے تھے؟

آئی تھنک کی بیماری:

اور یہاں یہ بیماری اور زیادہ ہے۔ یہاں ہر ایک مفتی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر آئی تھنک (I Think) کا ایک لفظ چلتا ہے۔ بس ہر بات پر یہ کہہ دیتے ہیں I Think میرا خیال یوں ہے۔ ارے بھائی! تمہارا یہ خیال آیا کہاں سے؟ تمہیں حق کیا ہے اپنا خیال دوڑانے کا؟ یہ اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے، قرآن کی امانت ہے، حدیث ہے رسول اللہ ﷺ کی، تم I Think کہہ کر اسے اڑا دیتے ہو۔ اگر I Think سے کام چلا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک واقعہ:

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب کا میرے پاس فون آیا۔ اس کو پتہ چل گیا ہو گا کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں۔ کہنے لگے کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میرا خیال تو یوں ہے مگر لوگ یوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ

وہ صحیح کہتے ہیں۔ (وہ لوگ واقعۃً صحیح مسئلہ بیان کر رہے تھے اور ان کا موقف غلط تھا) میری بات سن کر وہ دلیلیں دینے لگے، میں نے پھر بھی یہی کہا کہ ان کی بات صحیح ہے کہنے لگے کہ آپ جو بات بیان فرما رہے تھے، اس کی کوئی دلیل ہے؟ میں نے کہا: ہے، کہنے لگے: ذرا مجھے بتا دیجئے۔ میں نے کہا ضرور بتا دوں گا بشرطیکہ آپ دارالعلوم میں داخلہ لے کر طالبعلم بن جائیں۔ میں آپ کو داخلہ دوں گا اور دلیلوں سے پیٹ بھر دوں گا انشاء اللہ۔

اگر آپ کسی ڈاکٹر کے کلینک میں جائیں اور اس سے اپنی بیماری بیان کر کے مشورہ مانگیں۔ جب وہ آپ کی بیماری کی تشخیص کر کے نسخہ بتا دے تو آپ اس سے دلیل کا مطالبہ کریں گے؟ کہنے لگے نہیں میں نے کہا: ہاں اگر آپ میڈیکل کالج میں ہوں اور ڈاکٹر سے پڑھ رہے ہوں تو پھر آپ کو حق حاصل ہے کہ دلیل پوچھیں، لیکن کلینک میں آپ کو دلیل نہیں بتائی جائے گی۔

اسی طرح جب آپ مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہیں، اگر مجھ پر آپ کو اعتماد ہے تو میری بات مان لیجئے، اور اگر اعتماد نہیں تو مجھ سے مسئلہ معلوم کرنے کی آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔

کہنے لگے کہ جناب یہ بات تو ٹھیک ہے۔ بتائیے، اب میں کیا کروں۔ میں نے کہا کہ آپ یہی سمجھیں کہ میں نے غلط کہا ہے اور انہوں نے صحیح کہا۔

''آئی تھنک'' کا جملہ کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

آئی تھنک کا فتنہ ایسا ہے کہ ہر سوال آئی تھنک سے شروع ہوتا ہے۔ اپنا جواب پہلے اور سوال بعد میں۔ اور آئی تھنک کہہ کر اپنا جواب پہلے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ جس سے سوال کر رہے ہیں، اس پر اپنا جواب مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یوں کہنا چاہتے ہیں کہ پہلے تو تم میری بات سن لو، پھر تم بات کرنا اور ہماری رعایت کر کے بات کرنا۔

اگر ڈاکٹر کے پاس جا کر آئی تھنک کہو گے تو وہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔ ڈاکٹر تو ایک ایک منٹ کے پیسے لیتا ہے، اس کے پاس آئی تھنک سننے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ یہ مولوی ہی رہ گیا بیچارہ، یہ دین ہی رہ گیا بے چارہ، قرآن ہی لاوارث رہ گیا کہ اس کے اندر ہر ایک ''آئی تھنک'' لڑاتا ہے۔

تاجدارِ دو عالم سرورِ کونین ﷺ کو بھیجا گیا معلم کتاب بنا کر حالانکہ قرآن پڑھنے والے وہ لوگ تھے جو عربی زبان میں زبردست ماہر تھے۔ آج کل کے عالم عرب میں عربی زبان کا ایسا زبردست ماہر کوئی شاذ و نادر ہی ملے گا جس طرح اس زمانے میں ایک ایک شخص ماہر ہوتا تھا۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے بنیادی مقاصد میں قرآن مجید کی تعلیم کو شامل کیا گیا۔

دارارقم میں ہونے والا کام کیا تھا اور کن حالات میں تھا؟

دارارقم سے کام خفیۃً شروع ہوا۔ اس وقت تک اذان دینے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھی، خفیہ طور پر نمازیں پڑھی جا رہی تھیں۔ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ پر نجاستیں اچھالی جا رہی تھیں، آپ کو گالیاں دی جا رہی تھیں، آپ کو جادوگر کہا جا رہا تھا۔ آپ پر پہرے لگ رہے تھے کہ کوئی آ کر ان سے نہ مل لے۔ اس دار ارقم میں خفیہ طور پر قرآنِ کریم کے الفاظ و معانی کی تعلیم ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ تربیت بھی ہو رہی تھی۔

مکی زندگی میں مجاہدوں کی بھٹی سے گزارا جا رہا تھا:

درحقیقت مکی زندگی میں مجاہدوں کی بھٹی سے گزرا جا رہا تھا۔ افراد سازی کی جا رہی تھی۔ سونے کے اوپر جب گرد و غبار جم جائے، میل کچیل سے اس کا رنگ خراب ہو جائے تو اس کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ کندن بن کر نکلے۔ صحابہ کرامؓ پر زمانۂ جاہلیت کے غلط عقیدوں کی تہہ جم گئی تھی۔ اخلاق جارحانہ تھے۔ ایمان لے آئے تھے

لیکن بری عادات کے اثرات باقی تھے یہاں انہیں بھٹی سے گزار کر میل کچیل صاف کیا جا رہا تھا۔ قربانیاں دینے کی عادت ڈالی جا رہی تھی کہ اللہ کے راستے میں مار بھی کھاؤ، گالیاں بھی سنو، فاقے بھی برداشت کرو اور ضرورت پیش آئے تو اپنے وطن کو بھی چھوڑ دو اور صبر سے کام لو۔ تیرہ سال تک اس بھٹی سے گزارا گیا۔

''صفہ'' میں صحابہؓ کرام کیوں آئے؟

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت ہوئی، مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو وہاں صفہ کے نام سے ایک چبوترا تیار ہوا۔ بعض لوگ اسے اصحاب صفہ کہتے ہیں، وہ اصحاب صفہ نہیں بلکہ صفہ ہے، ایک چبوترا ہے جہاں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت دین سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں آ پڑی تھی۔ یہ وہ صحابہ کرام تھے جو اپنے ماں باپ، تجارت، ملازمت، مزدوری حتیٰ کہ بعض صحابہ اپنے وطنوں کو چھوڑ کر آ گئے تھے۔ کمائی کے تمام ذرائع کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں اس لیے آ پڑے تھے کہ آپ کو دیکھیں گے، دین سیکھیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی قرآن کی تفسیر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کے عادات و اخلاق کیا تھے۔ فرمایا وہی تھے جو قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ پورا قرآن آپ ﷺ کی زندگی میں عملی طور پر موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ عملی نمونہ ہے قرآن کا۔ تو آپ کے اعمال قرآن مجید کی تفسیر کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرما دیا تھا:

صَلّوا كَمَا رَءَيْتُمُونِي أُصَلِّي.

''تم نماز اسی طرح پڑھا کرو، جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

قرآن مجید نے نماز کا حکم تو دیا لیکن اس کا طریقہ نہیں سکھلایا۔ اور نہ یہ بتلایا کہ پانچ وقت کی نمازوں میں کتنی کتنی رکعتیں ہوں گے۔ ارکان نماز کا ذکر تو

قرآن مجید میں ہے لیکن قرآن مجید کے مطالعے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قعدہ پہلے ہو گا یا قیام، سجدہ پہلے ہوگا یا رکوع یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے سکھلایا۔

صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی ہر ادا کو محفوظ کر لیا:

صفہ کی جماعت آپ کے عمل سے بھی دین سیکھتی تھی اور آپ کی تعلیمات سے بھی دین سیکھ رہی تھی، آپ خطبات ارشاد فرماتے تھے۔ آپ سے ملنے کے لیے لوگ آتے تھے، یہ دیکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کس طرح بات کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا کو محفوظ کر کے ریکارڈ کر لیا۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان حتیٰ کہ کسی اور نبی و رسول کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ اس کی ہر ادا کو محفوظ کر دیا گیا۔ یہ صرف آپ کی نمایاں خصوصیت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کی ہر ادا کو، ہر حرکت و سکون کو سینوں میں محفوظ کیا اور اس کو ہم تک یہاں روایت کیا۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ مسواک کرتے وقت جو آواز نکلتی ہے، صحابی نے روایت میں اس آواز کو بھی نقل کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سب صحابہ میں پیش پیش تھے۔ یہ یمن سے ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے قدموں میں آپڑے تھے۔ انہی نے سب سے زیادہ حدیثیں روایت کیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے دعائیں بھی دیں، ان دعاؤں کی برکت تھی کہ انہیں بہت زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔

تحصیل علم کے لئے صحابہؓ کرام کے مصائب:

جس طرح قرآن مجید یاد کیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ کی جماعتیں اسی طرح احادیث کو حفظ کیا کرتی تھیں۔ کما سکتے تھے لیکن فرصت نہ ہونے کی وجہ سے کماتے

نہیں تھے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مدینہ کے لوگ اپنی زمینوں کی پیداوار لے لے کر آتے تھے اور صفّے کے باہر کھجور کے تنے بنے ہوئے تھے وہاں وہ لا کر لٹکا دیتے تھے۔ اصحاب صفہ اس میں سے لے کر کھا لیتے تھے۔ ان کا یہ حال تھا کہ اگر آ گیا تو کھا لیا، نہیں آیا تو فاقہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایسے وقت بھی گزرے کہ بھوک کی وجہ سے بے تاب ہو کر مسجدِ نبوی کے صحن میں پڑا ہوتا تھا۔ کسی سے بول نہیں سکتا تھا، آنکھ کبھی کھلتی تھی کبھی بند ہوتی تھی۔ لوگ سمجھتے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں ان سب کی باتیں سن رہا ہوتا تھا لیکن بھوک کی شدت کی وجہ سے بولنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو انہوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا۔

صفہ ایک اقامتی دارالعلوم تھا:

صفہ ایک اقامتی دارالعلوم تھا، جہاں طلبہ دن رات رہتے بھی تھے اور پڑھتے بھی تھے۔ اس سے آپ نے ایک بات دیکھی، وہ یہ کہ ہمارے دینی مدارس کا جو طریقہ ہے، درحقیقت یہ اصحاب صفہ ہی کی نقل ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں ان کی نقل کرنے کی توفیق دے۔ آمین) ان مدارس میں دور دراز سے بلکہ دوسرے ممالک سے طلبہ آتے ہیں اور وہاں آ کر پڑ جاتے ہیں۔ مدرسے میں کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ کھانے کے پیسے کہاں سے آتے ہیں؟ اہل علاقہ اور اہل شہر تعاون کرتے ہیں۔ جو لوگ ملازمت میں ہیں یا تجارت و مزدوری کرتے ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ ان طلبہ کی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ اس وقت سے یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ علم کے کاموں میں مشغول جماعت کی ذمہ داری معاشرے پر ڈالی گئی ہے۔

اہل علم طبقہ کی قربانیاں:

اور پھر امت کے اس اہل علم طبقہ نے کیسی کیسی قربانیاں اس علم دین کے

حاصل کرنے اور پہچاننے میں دی ہیں، وہ بھی ایک زرّیں باب ہے۔ مجاہدینِ اسلام کی قربانیوں کی تو آپ نے بہت داستانیں پڑھی اور سنی ہوں گی لیکن علماءِ کرام، محدثین اور مفسرین نے علم حاصل کرنے میں کیسے کیسے جان کھپائی ہے، وہ رنگین داستان عام طور پر نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اور وہ داستان اتنی طویل ہے کہ ہفتوں میں بھی ختم نہ ہو۔ اگر یہ قربانیاں نہ دی جاتیں تو یہ دین ہم تک نہ پہنچتا۔ معلوم نہیں کہ آج ہم یہودی ہوتے یا نصرانی ہوتے، ہندو ہوتے یا دھریے۔

میں ان قربانیوں کے صرف چند واقعات آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔

صرف ایک حدیث کے لیے دو مہینے کا سفر:

رسول اللہ ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ کے سامنے کسی نے ایک حدیث بیان کی اور یہ بتلایا کہ دمشق میں فلاں صحابہ ہیں، انہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ میں ان سے سن کر آپ کو بتلا رہا ہوں۔ حضرت جابرؓ نے اس صحابی کا پتہ پوچھا اور سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت جابرؓ نے اگرچہ یہ حدیث سن لی تھی اور قابل اطمینان آدمی سے سنی تھی لیکن درمیان کا واسطہ ختم کرنے اور مزید اطمینان حاصل کرنے کے لیے آپ خود اتنا طویل سفر کر کے اس صحابی کی خدمت میں پہنچے جس نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سنی تھی۔

ان کے گھر پہنچ کر اُن سے کہا کہ میں اس کام کے لیے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا، بیٹھو تو سہی فرمایا کہ مجھے پہلے حدیث سنا دو۔ حدیث سنی، حدیث اسی طرح تھی جس طرح آپ سے بیان کی گئی تھی اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حدیث پہنچانے والے کتنے بااعتماد لوگ تھے۔ یہ حدیث سن کر جب اطمینان ہو گیا تو واپس لوٹے۔ صرف ایک حدیث سننے کے لیے اونٹ کے اوپر آپ نے ایک مہینے جانے کا اور ایک مہینے واپس آنے کا سفر کیا۔ شام کا راستہ جن لوگوں نے دیکھا ہوگا، ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہوں گے یہ واقعہ سن کر۔ کیسا خوفناک

صحرا ہے۔ مدینہ طیبہ سے اردن کی طرف جاتے ہوئے یہ علاقہ آتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم قربانی:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم و تفقہ اور حاضر جوابی بہت اعلیٰ درجے میں عطا فرمائی تھی۔ پوری دنیا میں ان کے علم کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کے معتقدین بہت تھے۔ جب کسی کے معتقدین زیادہ ہوتے ہیں تو حاسدین بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے حاسدین نے جا کر بنو عباس کے خلیفہ ابو جعفر منصور سے ان کی شکایت کی کہ یہ تمہارے مخالف ہیں۔ انہوں نے فلاں مسئلہ میں تمہارے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں پہنچائیں۔ رفتہ رفتہ ان کا ذہن بھی بننے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پوری دنیا میں اسلام سپر طاقت تھا۔ چین کا علاقہ چھوڑ کر تقریباً پورا ایشیا مسلمان کے زیر نگین آچکا تھا، مشرقی اور مغربی افریقہ کے ممالک بھی اسلام کے زیر حکومت آچکے تھے۔ اسپین اور فرانس سے آگے تک مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آج کل کے بڑے بڑے ممالک جیسے مصر، سوڈان، لیبیا، جزائر، شام وغیرہ سب اسلامی حکومت کا حصہ تھے! اس وقت اسلامی حکومت کی عظمت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کافی عرصے سے بارش نہیں ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ بادل نظر آیا۔ سارے لوگ امید بھری نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگے مسلمان خلیفہ بھی محل سے نکل کر اس کو دیکھنے لگا مگر وہ گھنگھور گھٹا آئی اور بغداد سے نکل کر آگے چلی گئی، نیلا آسمان پھر صاف نظر آنے لگا۔ خلیفہ نے مسکرا کر بادل سے خطاب کیا کہ اے بادل! تو چاہے جہاں جا کر برس جا، تیرا جزیہ اور خراج بغداد ہی آئے گا۔

اتنی بڑی اسلامی سلطنت کے قاضی القضاۃ کا انتقال ہو گیا۔ قاضی القضاۃ مطلب ''چیف جسٹس''۔ ابو جعفر منصور نے امام اعظم کو بلا کر چیف جسٹس بننے کی پیشکش کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ امیر المؤمنین! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ

آپ نے یہ پیشکش کی ہے لیکن میں اس کا اہل نہیں ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ چونکہ قاضی بننے کے بعد سخت سخت فیصلے جیسے قتل کا حکم دینا، سنگسار کرانا وغیرہ کرنے پڑتے ہیں اور اس کے لیے مضبوط دل والا آدمی ہونا چاہیے جبکہ میرا دل نرم ہے، اس لیے میرے لیے یہ عہدہ قبول کرنا مناسب نہیں۔ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے معذرت کر دی۔

چونکہ ابو جعفر منصور نے یہ سن رکھا تھا کہ امام ابو حنیفہ خلافتِ عباسی کے مخالف ہیں، اس لیے اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ چونکہ یہ میرے مخالف ہیں، اس لیے انہوں نے میری یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ امام اعظم نے جواب دیا کہ پھر تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ میں اس کا اہل نہیں کیونکہ جھوٹا آدمی قاضی القضاہ بننے کے قابل نہیں۔ ابو جعفر منصور کو کوئی جواب بن نہ پڑا اور آپ کو جیل میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ جیل میں بھی آپ پر کئی مصیبتیں آئیں۔ اسی جیل میں آپ کو زہر دیا گیا اور اسی جیل سے آپ کا جنازہ نکلا۔

ستر چھپانے کے بقدر بھی کپڑا پاس نہ رہا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وسطی ایشیا کے رہنے والے تھے۔ آپ کی کتاب ''صحیح البخاری'' کے بارے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ قرآن کے بعد یہ سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔ ہمارے عرب بھائیوں کو اپنی زبان پر اسقدر ناز ہے کہ جن کی مادری زبان عربی نہیں ہوتی، ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ کتنا ہی بڑا کوئی عالم ہو لیکن اگر عربی زبان اس کی مادری زبان نہیں ہے تو عرب لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ کیا جانے گا! بخاری بھی عجمی ہے عربی نہیں لیکن جس حدیث کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ ''رواہ البخاری'' (اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح البخاری میں نقل کیا ہے) تو یہ سن کر بڑے بڑے عرب علماء کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ کیا مرتبہ ہے اور کیا علمی مقام ہے!

اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مقام امام بخاری کو دیا لیکن یہ مقام آسانی سے نہیں ملا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا۔ آپ کے والد بہت مالدار آدمی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کو دین کا علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قرآن مجید کے حافظ ہونے کے ساتھ اردگرد کے علماء کے پاس موجود احادیث کے بھی حافظ ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ایسے مدرسے نہیں تھے کہ ایک مدرسے میں داخل ہوئے تو سارے مضامین وہیں پڑھ لیے۔ اس زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ کسی علاقے میں کوئی محدث ہوتا تھا تو طلبہ اس کے پاس جا کر احادیث سنتے اور یاد کرتے۔ کسی محدث کے پاس ہزار حدیثیں ہوتیں، کسی کے پاس پانچ سو کسی کے پاس سو پورے عالم اسلام میں یہ حدیثیں بکھری ہوئی تھیں۔

اٹھارہ سال کی عمر میں امام بخاری نے جب آس پاس کے علماء کی حدیثیں یاد کر لیں تو باہر ممالک کا رخ کیا اور پوری زندگی سفروں ہی میں گزر گئی۔ کبھی شام میں، کبھی عراق میں، کبھی مکہ مکرمہ میں اور کبھی اردن و فلسطین میں۔ ان کی طالبعلمی کی داستان بڑی طویل اور عجیب و غریب ہے۔ جس استاذ کے پاس جاتے، اس کی نظروں کا تارا بن جاتے کیونکہ آپ کی ایک خاص شان یہ تھی کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے پھر اس کے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ سب ساتھیوں سے زیادہ محنت کرنے والے اور ذوق و شوق کے ساتھ درس میں شریک ہونے والے، کبھی ناغہ نہ کرنے والے، کبھی دیر نہ کرنے والے شاگرد تھے۔

ایک جگہ احادیث حاصل کرنے کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہر روز اسباق میں شریک ہوتے تھے۔ ایک دن نہیں آئے۔ استاذ نے ساتھیوں سے وجہ پوچھی۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اگلے دن پھر نہیں آئے۔ استاذ کو تشویش ہوئی۔ اس نے طالبعلموں سے کہا کہ معلوم کرو، کیا بات ہے وہ تو کبھی بھی ناغہ کرنے والا نہیں۔

کسی کوٹھری میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ان کے ساتھی پہنچے تو اندر سے دروازہ بند تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ دوسری مرتبہ دستک دی

لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ تیسری مرتبہ دستک دیتے وقت انہوں نے کہا کہ اے بخاری! ہم تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اگر تم زندہ ہو تو بتا دو ورنہ ہم سمجھیں گے کہ تم فوت ہو چکے ہو اور ہم دروازہ توڑ کر اندر آ جائیں گے۔ اس وقت اندر سے بخاری کی آواز آئی کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں، لیکن دروازہ کھولنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ عرصہ دراز سے میرے پاس پہننے کے لیے ایک ہی جوڑا رہ گیا تھا جو میرے بدن پر تھا، اسی کو دھو کر پہنتا تھا، پھٹ جاتا تو سی لیتا، زیادہ پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتا۔ اب بار بار سیتے سیتے اور بار بار پیوند لگتے لگتے وہ اتنا بوسیدہ ہو گیا ہے کہ اب مزید سینے کی گنجائش نہیں رہی اور وہ اتنا پھٹ گیا ہے کہ جسم کے جتنے حصے کو چھپانا ضروری ہے، اتنے حصے کو چھپا نہیں سکتا۔

کہاں وہ مالدار کا بیٹا اور کہاں یہ فقر و فاقہ کی زندگی! آج ہم بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں دن ختم بخاری ہو گا لیکن یہ صحیح بخاری کس طرح جان جوکھوں سے تیار ہوئی، آج ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

چار محدثین کا واقعہ:

چار بڑے بڑے مشہور محدثین ہیں۔ چاروں کا نام محمد ہے۔ ایک محمد بن خزیمہ ہیں جن کی حدیث کی مشہور کتاب ''صحیح بن خزیمہ'' ہے۔ ایک محمد بن جریر طبری ہیں جنہوں نے تفسیر بھی لکھی ہے اور تاریخ بھی لکھی ہے۔ ایک محمد بن ہارون ہیں اور ایک محمد بن نصر المروزی ہیں۔ یہ چاروں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے نکلے۔ وسطی ایشیاء کے رہنے والے تھے۔ علم حدیث کے لیے مصر پہنچے۔ جو کچھ مال و دولت پاس تھا اسے خرچ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ کم ہو گیا۔ اب آدھی آدھی خوراک کھانا شروع کی۔ جب اور کم ہو گیا تو اور خوراک کم کر دی۔ یہاں تک کہ سب کچھ ختم ہو گیا اور فاقے شروع ہو گئے۔

کئی دن اسی حال میں گزر گئے۔ اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا۔

آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کریں؟ کہنے لگے کہ اب تو ہماری حالت ایسی ہو گئی ہے کہ ہمارے لیے اتنا مانگنا جائز ہو گیا کہ جس سے ہماری جان بچ جائے۔ پھر کہنے لگے کہ اگرچہ یہ جائز تو ہے لیکن یہ مشکل کام کون کرے۔ یہ ذلت اور رسوائی کون اٹھائے۔ طے ہوا کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ ہو گا کہ کوئی ایک سوال کرے تا کہ چاروں کو یہ کام نہ کرنا پڑے۔ قرعہ اندازی میں محمد بن خزیمہ کا نام نکل آیا۔ انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے مہلت دو کہ میں دو رکعتیں پڑھ لوں۔ چنانچہ دو رکعت پڑھ کر دعا کی۔

دعا کر ہی رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک شخص اجازت لے کر اندر آیا۔ اور آتے ہی اس نے کہا کہ آپ میں سے محمد بن نصر کون ہیں؟ بتایا کہ فلاں ہیں اس نے پچاس دینار کی ایک تھیلی انہیں دی۔ اس طرح باقیوں کے نام لے لے کر ان کے بارے میں پوچھا اور پچاس پچاس دینار کی تھیلیاں انہیں دیں۔ چاروں کے لیے چار تھیلیاں آئی تھیں۔ ہر ایک کو ایک ایک تھیلی دے دی۔ یہ بھی حیران ہوئے۔ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ آج جب ظہر کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹے تو تاجدارِ کونین سرور دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے شہر میں چار محدث بھوکے ہیں، ان کی خبر لو۔ ان کے نام لیے اور پتہ بھی بتایا۔ بادشاہ نے اٹھتے ہی فوراً یہ کام کیا کہ یہ تھیلیاں دے کر مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست بھی کی ہے کہ ان کے ختم ہونے سے پہلے آپ اس کی اطلاع ضرور کر دیں تا کہ مزید کا انتظام کروں۔

علامہ سرخسی نے بند کنویں میں مبسوط کی پندرہ جلدیں لکھوائیں:

علامہ شمس الأئمہ مشہور فقیہ ہیں۔ ان کی کتاب ''المبسوط'' بڑی مشہور ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ''الکافی'' کی شرح ہے۔ اپنے شاگردوں کو یہ کتاب املاء کراتے تھے۔ اسی زمانے میں حکومت وقت کو ایک فتویٰ کی ضرورت پیش آئی۔ ان

سے پوچھا گیا۔ انہوں نے جو فتویٰ دیا وہ حکومت کی مرضی کے خلاف تھا۔ حکومت نے کہا کہ آپ اس فتویٰ سے رجوع کریں اور وہی فتویٰ دیں جو ہم چاہ رہے ہیں۔ وہی آئی تھنک والی بات آ گئی۔

انہوں نے جواب دیا کہ مفتی فتویٰ بتاتا ہے، بناتا نہیں، شریعت کا حکم بنانے والا تو اللہ رب العالمین اور رسول اللہ ﷺ ہیں، مفتی کا کام تو شریعت کا حکم بتانا ہے۔ اس میں ''آئی تھنک'' نہیں چلتا۔ حکومت نے ناراض ہو کر جیل میں ڈال دیا۔ جیل کیا تھی ایک گہرا بند کنواں تھا، پانی کے سونت بند کر دیئے تھے، اسی میں پیشاب پاخانہ، اسی میں کھانا پینا، اسی میں وضو نماز اور اسی میں غسل۔ شاگرد پریشان پھرتے رہے، عرصہ دراز تک پتہ ہی نہیں چلا کہ ہمارے استاذ کہاں ہیں؟ پھر پتہ چلا تو حکومت سے اجازت لے کر ملاقات کے لیے کنویں کے کنارے پہنچے اور غم و پریشانی کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ پریشان مت ہو، تم حکومت سے اجازت لے لو، اگر اجازت مل جائے تو روزانہ آ جایا کرو، کنویں کی منڈیر پر بیٹھ جایا کرو، میں نیچے سے املاء کراتا رہوں گا، تم لکھتے رہنا۔ چنانچہ طلبہ نے حکومت سے اجازت لی اور اسی طرح یہ کتاب املاء کراتے رہے۔ بارہ سال اس حال میں گزارے۔ اس عرصے میں پندرہ جلدیں تیار ہوئیں۔ باقی پندرہ جلدیں رہا ہونے کے بعد املاء کرائیں۔ آج اس عظیم کتاب سے کوئی بھی مفتی مستغنی نہیں۔

وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی قربانیاں:

وسطی ایشیا میں روسی تسلط کے زمانے میں علماء پر کیا قیامت گزری ہے، بیان نہیں کی جاسکتی۔ ۱۹۹۲ء میں ہم ان ریاستوں میں گئے جب یہ ریاستیں نئی نئی آزاد ہوئی تھیں۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حافظ بھی موجود ہیں، قاری بھی موجود ہیں۔ علماء کرام اور عربی سمجھنے والے بھی موجود ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے؟ ہم نے تو یہ سن رکھا تھا کہ روسی حکومت کو جس جس پر یہ شبہ ہوا کہ یہ حافظ قرآن ہے یا عالم دین ہے،

اسے گرفتار کر کے سائبیریا کے برفستان میں بھیج دیا جہاں وہ ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔ اور بہت سے زندہ لوگوں کو ایک خندق کھود کر دفن کر دیا گیا اور اوپر سے چونا ڈال دیا گیا۔ اور تعلیم قرآن پر پابندی لگا دی تھی تو اب تم کیسے زندہ ہو؟ انہوں نے بتلایا کہ ہم نے چوری چھپے حجروں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دن بھر محنت مزدوری کرتے تھے۔ رات کو خفیہ حجروں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی حال میں بہتر سال گزرے۔ اس طریقے سے الحمدللہ، وہاں دین کی حفاظت ہوئی۔

دادا جان کا واقعہ:

آخری دور میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اس میں بھی قربانیوں کی بے شمار داستانیں رقم ہوئیں۔ میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرے دادا مولانا محمد یٰسین صاحبؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور دارالعلوم دیو بند کے ہم عمر تھے یعنی جس سال دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی گئی، اسی سال آپ پیدا ہوئے تھے۔

آپ کے والد محترم آخری عمر میں نابینا ہو گئے۔ بہت تنگ دستی کا وقت تھا۔ وہ چاہتے تو اپنے نوجوان کو محنت و مزدوری پر لگا کر کچھ پیسے حاصل کر لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ دارالعلوم دیوبند میں داخل کرا کے تعلیم دلوائی، خود فقر و فاقہ سے زندگی گزارتے رہے۔ دورۂ حدیث کا سال جو درسِ نظامی کا آخری سال ہوتا ہے، اس سے پہلے پندرہ سولہ سال تیاری کرائی جاتی ہے۔ یہ بہت محنت کا سال ہوتا ہے۔ صبح سے لے کر دوپہر تک اور پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے رات گیارہ بجے تک کا وقت "قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ" میں گزرتا ہے۔

ایک مرتبہ دادا جان صبح بغیر ناشتہ کیے مدرسے گئے ہوئے تھے۔ دوپہر کو گھر واپس لوٹے۔ والدہ سے کھانا مانگا تو ان کی آنکھوں میں آنسو ٹپک پڑے۔ فرمایا: بیٹا اس وقت گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو میں آپ کو کھانے کے لیے دوں۔ ہاں، البتہ

بستی سے باہر ہماری تھوڑی سی زمین ہے، اس میں گندم تیار کھڑی ہے، وہ تم کاٹ لاؤ تو میں اُسے چھان کر تمہارے لیے روٹی تیار کر دیتی ہوں۔ یہ جون کا زمانہ تھا۔ سخت اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں دادا جان باہر کھیت میں گئے وہاں سے گندم کاٹ لائے۔ والدہ نے چھان کوٹ کر آٹا بنا کر روٹی پکائی، کھانا کھا کر فوراً مدرسے چلے گئے۔

مغربی ممالک میں دینی مدارس کے لیے ایک اہم رکاوٹ:

ان قربانیوں سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ دارالعلوم دیوبند بے سروسامانی کے عالم میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت میں قائم ہوا تھا جب ہندوستان میں انگریز کی حکومت کا تسلط ہو چکا تھا، مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لیے یہ ادارہ قائم ہوا تھا۔اب الحمدللہ، مغربی دنیا میں ادارے قائم ہو رہے ہیں لیکن ابھی تک امریکہ میں کوئی معیاری دارالعلوم قائم نہیں ہو سکا۔ الحمدللہ، بعض ادارے کام کر رہے ہیں لیکن ان کے راستے میں رکاوٹیں ہیں اور بہت بڑی مشکل فنڈ کی ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان میں اتنے مدرسے غریبوں نے بنا دیئے۔ الحمدللہ، دارالعلوم کراچی بہتر ایکڑ میں ہے اور اس کو دیکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی ساری سرکاری یونیورسٹیاں اس کے سامنے شرماتی ہیں۔ دارالعلوم کا ماہانہ خرچ تعمیرات کے علاوہ تقریباً پچاس لاکھ روپے ہے۔ عمارتوں کا خرچہ بھی تقریباً ماہانہ اتنا ہی ہے تو ایک کروڑ روپے ماہانہ سمجھ لیجیے۔ یہ سب خرچہ پاکستان کے عوام کر رہے ہیں حالانکہ پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ جبکہ امریکہ اور یورپ کے مدارس کو سب سے بڑی پریشانی فنڈز کی ہے حالانکہ یہاں کے لوگ مالی اعتبار سے پاکستان سے مضبوط ہیں۔

بھائی، بات یہ ہے کہ قربانی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں جو مدارس نظر آتے ہیں، یہ وہاں کے عوام نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے بنائے ہیں، یہ پیسے مدرسوں پر اس لیے لگائے ہیں کہ اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا، جتنا پیسہ جمع کریں گے، وہ اسی دنیا میں چھوڑ کر جانا ہے، آخرت میں وہی پیسہ کام

آئے گا جو دینی کاموں میں خرچ کریں گے، اس لیے میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ اپنی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔

مغربی دنیا میں دینی مدارس کی اہمیت:

دین و ایمان کی حفاظت کے اور تو الحمدللہ، بہت سے میدان ہیں مثلاً مسلم سکولز قائم کیے جائیں لیکن مسلم سکولز بھی تب ہی چلیں گے جب وہاں بھی علماء رہنمائی کرنے والے موجود ہوں۔ یہاں امریکہ میں بہت سے ملکوں کے مسلمان علماء آتے ہیں۔ ان کی مادری زبان انگریزی نہیں ہے، وہ پیدائشی امریکن نہیں ہیں۔

یاد رکھیۓ کہ مادری زبان بولنے والے مصلح کی بات کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾

(سورۃ ابراہیم،۴)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتائے۔''

ہر قوم کی طرف اس کا ہم زبان رسول اس لیے بھیجا گیا کہ اس کی بات قوم کے لیے زیادہ مؤثر تھی۔ اسی طرح یہاں امریکی عوام پر ان علماء کی تقاریر اور اصلاحی کوششیں زیادہ اثر انداز ہوں گی جو پیدائشی امریکی ہوں گے اس لحاظ سے بھی یہاں پر موجود دینی مدارس کو تقویت پہنچانے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اس اہمیت کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

........❖........

دینی مدارس کا نظام ۔ ایک تعارف

﴿دینی مدارس کا نظام......ایک تعارف﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فقد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انّ العُلماء ورثۃ الأنبیاء.

تمہید:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماءِ کرام، قابلِ احترام اساتذہ، ہونہار طلبہ، معزز حاضرین، محترم خواتین، مدرسۃ البنات کی معلمات، طالبات، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرنے کے لیے نہ ہمارے پاس ایسے الفاظ ہیں اور نہ ایسا اسلوب ہے جس سے اس کی نعمتوں کا شکر یا شکر کا حق ادا کیا جا سکے۔ اس کی بے شمار، لاتعداد اور بے حد و انتہا نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کی قائم کردہ اس عظیم درسگاہ کا تعلیمی سال پورا کر رہے ہیں۔

''ایک عظیم خواہش''

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے آپ نے سنا کہ آج کی یہ مجلس انٹرنیٹ پر بھی نشر ہو رہی ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں جو حضرات اس وقت کی مناسبت سے انٹرنیٹ پر ہمارا پروگرام کھولے ہوئے ہیں، وہ ہماری مجلس کے شریک ہیں اور ہماری باتیں سن رہے ہیں۔

دل بے اختیار چاہتا ہے اور دعا بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! اس عظیم درسگاہ کے بانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بعد جامعہ کے صدر مقرر ہونے والے بزرگ ہمارے مرشد عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بالکل ہمارے برابر میں عالم برزخ میں آرام فرما رہے ہیں، اے اللہ! اس مجلس میں ان کی ارواح کو بھی شریک فرما لے تاکہ انہیں وہ روحانی مسرت ہو جس کی خاطر انہوں نے یہ پودا لگایا تھا۔ اس پودے کو ہرا بھرا اور بار آور دیکھ کر انہیں سکون اور خوشیاں حاصل ہوں۔

''ختمِ بخاری پر قبولیتِ دعا'' کا مسئلہ اور اس کی شرعی حیثیت:

مجھے معلوم ہے کہ ختم بخاری کے اس عظیم الشان اجتماع میں بہت سے لوگ

صرف اس مقصد کے لیے آتے ہیں کہ ختم بخاری کے موقع پر ہونے والی دعا میں شریک ہو جائیں۔ وہ لوگ دعا کے منتظر ہوں گے، اس لیے میں کوشش کروں گا کہ اپنا بیان مختصر کروں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بیان کرتا جاؤں کہ ختم بخاری کے موقع پر دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پچھلے تقریباً تیرہ سو سال سے مجرب چلی آرہی ہے۔ اللہ رب العالمین نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''صحیح البخاری'' کو جو عظیم الشان اور بے نظیر مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ اس کے اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ تمام بزرگوں کا تجربہ چلا آرہا ہے کہ ختم بخاری کے بعد جو دعا کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قبول ہوتی ہے لیکن خوب سمجھ لیا جائے کہ یہ بات کسی نص قرآنی یا حدیث سے ثابت نہیں۔ یہ بزرگوں کا تجربہ ہے اور اس کی ایک بنیاد ہے وہ یہ کہ عہد رسالت سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ نیک کام کے بعد قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے چنانچہ نماز کے بعد قبولیت دعا کا خاص وقت ہوتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ درسِ حدیث ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ اس موقع پر دعا کی قبولیت اس کلی سے ماخوذ ہے ورنہ خصوصی طور پر کسی حدیث یا روایت سے یہ بات ثابت نہیں۔

بدعتیں کس طرح وجود میں آتی ہیں:

میں نے یہ وضاحت اس لیے کی ہے کہ بدعتیں اس طرح جنم لیتی ہیں کہ شروع شروع میں ایک نیک کام جذبات اور شوق میں آکر فی نفسہ شرعی حدود میں رہ کر کیا جاتا ہے لیکن رفتہ رفتہ لوگ اسے مسنون سمجھنے لگتے ہیں۔ غیر مسنون کو مسنون سمجھنا بدعت ہے۔ جو چیز دین کا حصہ نہیں، کسی دلیل کے بغیر اسے دین کا حصہ سمجھ لینے کا نام ''بدعت'' ہے۔

ختم بخاری کی شرعی حیثیت:

آج کا دن ایک تو اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ہمارا تعلیمی سال مکمل ہوا

ہے۔ جو بھائی مدارس کی صورتحال سے واقف نہیں، انہیں یہ اندازہ نہیں کہ مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کتنی شدید محنت سے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ میری معلومات کی حد تک آج کے تعلیمی اداروں میں اتنی محنت شاقہ کہیں نہیں اٹھائی جاتی جتنی مشقت ان مدارس کے طلبہ اور اساتذہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اور اپنے جذبات کی قربانیاں دے کر اٹھاتے ہیں۔ مشقت کا کام ختم ہوا تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کا یہ ایک موقع ہے۔

دوسرے یہ کہ اپنے احتساب کرنے کا بھی موقع ہے کہ اللہ رب العالمین نے ہمیں جو وسائل اور اسباب "قال الله وقال الرسول" کہنے کے لیے اور علم دین سیکھنے اور سکھانے کے لیے عطا فرمائے، ہم نے ان وسائل کو کہاں تک صحیح استعمال کیا۔ ہم جتنی محنت کر سکتے تھے، آیا اتنی محنت کر لی یا اس میں بھی کسر رہی؟ مطالعہ میں، تکرار میں، یاد کرنے، مشقوں میں، تقویٰ اور عبادات میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

اور تیسرے یہ کہ جس طرح برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ یہ طلبہ کے رخصت ہونے کا وقت ہے۔ ان طلبہ میں بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے جنہوں نے بالکل ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم یہاں حاصل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر موجود کافی طلبہ ایسے ہیں کہ جو چودہ چودہ، پندرہ پندرہ، سولہ سولہ سال سے یہاں پڑھ رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی جدائی کے موقع پر بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس موقع پر ہم سب جمع ہوں، بھیگی پلکوں اور غمگین دلوں کے ساتھ ایک دوسرے کو رخصت کریں۔

دارالعلوم کے فضلاء بیرون ممالک میں:

میں کس زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ جب ہم دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں یا پاکستان کے دوسرے شہروں میں جانا ہوتا ہے تو یہ دیکھ کر دل باغ باغ

ہوتا ہے کہ ہر جگہ دارالعلوم کے فاضلین موجود ہوتے ہیں۔ ایشاء میں، یورپ میں، امریکہ میں، افریقہ میں، غرض جس جس ملک اور شہر میں جاتے ہیں، وہاں نہ صرف یہ کہ دارالعلوم کے فاضلین موجود ہیں، بلکہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک نامی عطا فرمائی ہے۔ جب وہ ملتے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ہم نے دارالعلوم میں اتنا عرصہ گزارا ہے اور پھر یہاں کے قصے سناتے ہیں۔ دارالعلوم کے گزرے ہوئے دنوں کی یادیں ان کا سرمایہ حیات ہیں۔ وہ یہ داستانیں ایسے مزے لے لے کر سناتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان یادوں کو انہوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔

جدا ہوتے وقت طلبہ اور اساتذہ کی کیفیت:

اور یہ طلبہ بھی عام طلبہ کی طرح رخصت ہونے والے طلبہ نہیں اور انہیں جو استاذ رخصت کریں گے، وہ بھی عام اساتذہ کی طرح رخصت کرنے والے نہیں۔ یہ استاذ و شاگرد کا رشتہ ایسا میٹھا، ایسا لذیذ اور ایسا بابرکت ہے کہ اس کی لذت کا کوئی جواب نہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رشتے کی لذت الگ رکھی ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان جو محبت ہے اس لی لذت الگ ہے، بھائی کی بھائی سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ بھائی کی بہن سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ دادا کی پوتے سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ بیوی کی شوہر سے اور شوہر کی بیوی سے جو محبت ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ شیخ اور مرید کے درمیان جو محبت ہوتی ہے، اس کی لذت الگ ہے۔ اسی طرح استاذ اور شاگرد کے درمیان جو محبت ہے، وہ بھی الگ ہے، اس محبت کی کوئی اور نظیر اور جواب نہیں۔

جب یہ رخصت ہوتے ہیں تو ہمارے دل جانتے ہیں کہ ہم کس دل سے ان کو رخصت کرتے ہیں اور یہ طلبہ بھی بلکتے ہوئے اور روتے ہوئے ہم سے جدا ہوتے

ہیں۔ اور جانے کے بعد برسوں تک ان کے جو خطوط آتے ہیں، وہ بڑی بے چینی اور بے قراری کے خطوط ہوتے ہیں۔

برسوں بعد گھر جانے والے طلبہ:

ان میں خاصی بڑی تعداد ایسے مسکین طلبہ کی بھی ہے جو ایک مرتبہ گھر سے آئے اور ابھی تک واپس نہیں گئے۔ سالانہ تعطیلات جو ہر تعلیمی سال کے آخر میں دو ماہ کی ہوتی ہیں۔ ان میں بیشتر طلبہ تو اپنے والدین سے ملنے گھر چلے جاتے ہیں۔ وطن میں آرام کی زندگی گزار کر اگلے تعلیمی سال کے شروع میں پھر آ جاتے ہیں لیکن بہت سے طلبہ ایسے بھی ہیں کہ ان میں سے کوئی پانچ سال سے، کوئی آٹھ سال سے اور کوئی دس سال سے یہاں ہے اور وہ گھر واپس نہیں جا سکا۔ اس لیے کہ اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ چھٹیاں اپنے وطن میں گزارنے کے لیے وہاں کا سفر کر سکے۔ ایسے طلبہ تقریباً ہر سال موجود ہوتے ہیں۔

آپ اندازہ کیجئے ان طالبعلموں کی قربانی کا اور ان سے بھی بڑھ کر ان کے ماں باپ کی قربانی کا کہ کس دل کے ساتھ وہ اس بات کو برداشت کرتے ہیں کہ وہ ایک بچے کو دینی مدرسے میں بھیجتے ہیں۔ جب وہ واپس آتا ہے تو جوان ہو کر اور پوری داڑھی لے کر آتا ہے۔ کس کیفیت کے ساتھ ان کے ماں باپ اپنی زندگی کے صبح و شام گزارتے ہوں گے ان بچوں کے بارے میں اپنی تمناؤں کو کس طرح پالتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب قربانیوں کو شرفِ قبول سے نوازے۔ (آمین)

میں مبارک باد دیتا ہوں ان طلبہ اور ان کے اساتذہ اور والدین کو جنہوں نے یہ قربانیاں دی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ قرآن کریم کا وعدہ ہے۔

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خيراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَل مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شراً يَرَه.﴾ (سورۃ الزلزال)

''جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس
نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

''اسلام کی اصل طاقت دینی مدارس ہیں''

طلبہ کی جماعت وہ مسکین جماعت ہے جس کا دشمن اس وقت کا پورا عالم کفر ہے۔ عالم کفر کا میڈیا ان کے خلاف زہر اگل رہا ہے، عالم کفر کی جدید ترین ایجادات ان کی جاسوسی پر لگی ہوئی ہیں اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو انہیں کچلنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ اس وجہ سے ان کے خلاف ہیں کہ انہوں نے ایک حقیقت کو پالیا ہے اور غلط نہیں پایا، صحیح سمجھ لیا ہے اگرچہ بہت دیر سے سمجھا۔ وہ یہ کہ ''اسلام کی اصل طاقت یہی مدرسے ہیں۔'' اسلام کی حفاظت کے قلعے یہی ادارے ہیں۔ ان اداروں میں پڑھنے والے مساکین، زکوٰۃ و صدقات پر گزارا کرنے والے، فاقوں کی زندگی گزارنے والے اس دین کے پاسبان ہیں۔ یہی وہ مدارس ہیں جو ہر آڑے وقت میں امت کے کام آئے ہیں۔ یہ اصحاب صفّہ کے نقال ہیں۔ اس مقدس جماعت کے پیروکار ہیں جسے جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کے چبوترے ''صفّے'' میں تیار فرمایا تھا۔ جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دین کے سیکھنے کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ اور اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

بھوک پیاس اور فاقوں کی حالت میں وہ وہاں پڑے رہتے تھے۔ اہل مدینہ کو جتنا موقع مل گیا، انہوں نے کھانے پینے کا سامان پہنچا دیا۔ یہ نہ تجارت کرتے تھے اور نہ مزدوری کرتے تھے یہ تو جناب رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں آپڑے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ پر بکثرت ایسے فاقے بھی گذرتے جاتے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں اس طرح پڑا ہوتا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ میں بے ہوش ہوں حالانکہ میں سب کی باتیں سن رہا ہوتا تھا لیکن بھوک کی وجہ سے اتنی طاقت نہیں ہوتی تھی

کہ میں بول سکوں۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں اصحابِ صفّہ کی نقالی نصیب فرمائے''

ان مدرسوں کے طلبہ بھی انہی کے نقال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنیٰ میں ان کی نقالی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم میں ان قربانیوں کی تاب نہیں، ہم بہادر نہیں۔ ہمارا ایمان بھی کمزور ہے، ہمارا صبر بھی کمزور ہے، ہمارا توکل بھی غیر مکمل ہے۔ ہم ان مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی نقالی کرنے سے تو شاید عاجز ہو جائیں لیکن یہ تمنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی طاقت دی ہے، اللہ تعالیٰ انہی کی نقالی پر اسے لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ انہی کی نقالی پر ہماری زندگی گزارنے اور انہی کی نقالی پر ہماری موت آئے۔

دنیا کی کوئی طاقت مدارس کو گزند نہیں پہنچا سکتی:

میں کہا کرتا ہوں اور آج پھر اپنے عزیز طلبہ سے کہہ رہا ہوں کہ یاد رکھیئے! دنیا کی کوئی طاقت آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتی۔ آپ کے ''قال اللّٰہ وقال الرسول'' کے سلسلے کو نہیں روک سکتی۔ اگر اس کو نقصان پہنچے گا تو ہماری ہی بداعمالیوں سے پہنچے گا۔ ہماری ہی نیت کی خرابیوں سے پہنچے گا، ہمارے ہی تقویٰ کی کمی سے پہنچے گا اور ہمارے ہی اخلاص کی کمی سے پہنچے گا۔ اگر ہمارے اندر اخلاص اور تقویٰ ہے تو ''الاسلام یعلو ولا یعلی''[1] کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ کو کوئی نہیں مٹا سکے گا۔

یہ عمارتیں چھینی جا سکتی ہیں لیکن درختوں کے سایوں میں بیٹھ کر ''قال اللّٰہ وقال الرسول'' کے سلسلے کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک اس کام میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری توانائیاں اسی کام میں استعمال کروائے۔

---

[1] الاحادیث المختارۃ المقدسی (۸/۲۴۰) والبیہقی (۶/۲۰۵) واخرجہ البخاری تعلیقاً فی کتاب الجنائز۔

دینی مدارس کے تعلیمی نظام پر ایک اشکال اور اس کا تفصیلی جواب:

عام طور پر بہت سے حضرات ایک غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ جب ہم ان مدرسوں کی اہمیت پر اصرار کرتے ہیں تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر علماءِ کرام کو پورے ملک کے لیے نصاب تعلیم تیار کرنے کا اختیار دیا جائے تو جو مدرسوں میں نصاب اور نظام تعلیم مقرر ہے، اسی نصاب اور نظام کو پورے ملک میں چلائیں گے۔

میں سمجھتا تھا کہ یہ سوال پیدا نہیں ہوتا ہوگا اور کسی سمجھدار آدمی کے ذہن میں خیال نہیں آتا ہوگا لیکن بہت سے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں نے مجھ سے یہ بات کہی تو معلوم ہوا کہ ذہنوں میں بات پیدا ہوتی ہے اور پھر سوال ابھرتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تو پھر انجینئر اور ڈاکٹر کہاں سے آئیں گے، ماہرین قوانین اور ماہرین معاشیات کہاں سے آئیں گے اور ملک کا نظام کیسے چلے گا؟

خوب سمجھ لیجیے! اگر علماء کو اختیار دیا جائے گا تو پورے ملک کا نظام تعلیم یہ نہیں ہوگا جو ہم نے اپنے مدرسوں میں قائم کر رکھا ہے۔ بالکل نہیں ہوگا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے جو مدارس اور تعلیمی ادارے برصغیر میں قائم تھے، ان میں دینی اور دنیاوی علوم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ دینی مدارس میں اس وقت کی سائنس، اس وقت کی انجینئرنگ اور اس وقت کے فلسفے پڑھائے جا رہے تھے اور دینی تعلیم بھی ساتھ ساتھ دی جا رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ عصری علوم کے لیے ادارے الگ ہوں اور دینی تعلیم کے لیے ادارے الگ ہوں۔ انگریز نے آکر برصغیر کے مسلمانوں پر یہ قیامت ڈھائی کہ اس نے لارڈ میکالے کے تعلیمی نظام کو نافذ کر کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے اسلام کو خارج کر دیا، اور دینی مدارس میں بالکل بے دینی کے مدارس ہو گئے یعنی وہاں آنے کے بعد اگر کوئی اپنی علوم پر انحصار کر کے بیٹھ جائے تو وہ دینی معلومات سے بالکل بے بہرہ ہو کر رہ جائے۔

ان حالات میں مجبور ہو کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے

دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی گویا اسلامی علوم کی حفاظت اور تعلیم کے لیے ایک قلعہ بنا دیا تا کہ جب کبھی مسلمان انگریز کے تسلط سے آزاد ہوں تو ان کے پاس اسلامی علوم محفوظ ہوں اور ان اسلامی علوم کو عصری علوم کے ساتھ ملا کر پڑھا سکیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور انہیں انگریزوں کی سر پرستی حاصل تھی اور ہندو شدھی تحریک کے ذریعے ہندو بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے دارالعلوم دیو بند قائم کیا گیا، پیٹ پر پتھر رکھ کر انہوں نے یہ طے کیا کہ اگر ہمیں سرکاری ملازمت نہ ملے، حکومت کی کوئی سر پرستی حاصل نہ ہو ہم روکھی سوکھی کھا کر اور تنگ و تاریک حجروں میں دینی تعلیم کی حفاظت کریں گے الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عزم میں کامیابی عطا فرمائی۔

اس کے بالکل برعکس سرسید احمد خان نے علی گڑھ میں ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمان تجارت، معیشت اور سیاست میں ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر پا رہے۔ اگر یہ ملک کبھی آزاد ہوا تو ہندو ہم پر مسلط ہو جائے گا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان میدانوں میں تیار کرنا اور انہیں سرکاری اداروں میں گھسانا ضروری ہے۔

گویا دارالعلوم دیو بند کو مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لیے قائم کیا گیا خواہ دنیا قربان ہو جائے اور علی گڑھ کا ادارہ اس لیے قائم ہوا کہ مسلمانوں کی صرف دنیا محفوظ ہو جائے۔ آپ جان رہے ہیں کہ یہ دونوں ادارے محکومیت کے دور میں قائم ہوئے۔ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات بار بار سنی کہ دارالعلوم دیو بند بھی ان خاص مجبور کن حالات میں قائم ہوا تھا جب غیروں کی حکومت ہم پر مسلط تھی۔ اس وقت کے حالات میں وہی نصاب مناسب تھا جو ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا۔ اور علی گڑھ بھی ان مجبور کن حالات میں قائم ہوا جب انگریزوں کا تسلط تھا۔ اور دنیا کے تحفظ کے لیے علی گڑھ میں جو نصاب اختیار کیا گیا، وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

لیکن یہ دونوں نظام ایک آزاد مسلم ملک کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے۔ نہ تنہا دیو بند کا نظام ایک آزاد اسلامی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرے گا اور نہ تنہا علی گڑھ کا نظام ایک آزاد اسلامی مملکت کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ اب ہم آزاد ہیں۔ ایک اسلامی مملکت کو چلانے والے ہیں۔ اسلامی مملکت کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے نصاب و نظام کی ضرورت ہے جو نہ علی گڑھ والا ہوگا نہ دیو بند والا ہو بلکہ دونوں کا مجموعہ ہوگا۔

چنانچہ پاکستان بننے کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنیاد پر یہاں کے نظام تعلیم کو ان خطوط پر استوار کرنے کی جان توڑ کوشش کی کہ ہمارے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ان دونوں نظاموں کا مجموعہ بنیں تاکہ آزاد اسلامی ریاست کی ضرورت کو پورا کرنے والی نسل تیار کی جائے۔

بہت سرتوڑ کوشش کرنے کے بعد ہمارے یہ بزرگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم اگرچہ انگریزوں سے براہِ راست آزاد ہو گئے ہیں لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس ملک پر جو لوگ حکمران ہیں وہ ذہنی طور پر انگریز کی محکومی سے آزاد نہیں ہیں۔ اور وہ اس بات پر قطعاً تیار نہیں کہ یہاں آزاد اسلامی ریاست کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا نظامِ تعلیم رائج کیا جائے بلکہ وہ صرف علی گڑھ کا نظام یہاں لانا چاہتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کی نقالی کرتے کرتے، ان کی شاگردی کرتے کرتے، ان کی نوکری چاکری کرتے کرتے اور ان کی تربیت میں رہتے رہتے ان کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ ان میں آزاد فکر ہی باقی نہیں رہی تھی۔

ہمارے بزرگوں نے جب یہ دیکھا کہ یہاں کے حکمران آزاد اسلامی نظامِ تعلیم رائج کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ صرف علی گڑھ کو ہی یہاں لانا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ پھر ہمیں یہاں دیو بند ہی قائم کرنا پڑے گا۔ حکومت علی گڑھ کی طرز پر ادارے کھولے اور ہم اپنے مدرسے دیو بند کی طرز پر قائم کریں گے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہے کہ سرکاری اداروں میں علی گڑھ کا نظام تعلیم چل رہا ہے اور ہمارے مدارس

میں دیو بند کا نظام تعلیم رائج ہے۔ لیکن یہ کوئی خوشی سے نہیں ہو رہا بلکہ مجبوری سے ہو رہا ہے۔ اس وقت ہم نے اس کیفیت کو اس لیے قبول کیا تھا کہ ہم انگریزوں کی براہِ راست غلامی میں تھے اور اب اس لیے برداشت کر رہے ہیں کہ بالواسطہ ان کی غلامی میں ہیں۔

لیکن الحمدللہ ہمارا ضمیر مطمئن ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود دینی علوم کا قافلہ رواں دواں ہے اور جب سے ان اداروں کے خلاف مخالفتوں میں اضافہ ہوا ہے، الحمدللہ، ان مدرسوں میں طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے اور مدرسوں کی تعداد بھی مسلسل بڑھ رہی ہے کیونکہ قوم کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلم قوم کی رہنمائی کرنے والے ایسے افراد جو ذہنی طور پر آزاد ہوں، کسی کے محکوم نہ ہوں اگر یہ کہیں مل سکیں گے تو وہ انہی اداروں سے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی قیادت تیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

دینی مدارس کے فضلاء کے روزگار سے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا جواب:

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے بہت سے محبت کرنے والے مسلمان بڑی خیر خواہی سے کہا کرتے ہیں کہ صاحب! آپ کے طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کھائیں گے کہاں سے؟ ان کے روزگار کے لیے آپ دارالعلوم میں کوئی صنعت لگا دیں یا دستکاری کا انتظام کر دیں تا کہ کچھ طلبہ صنعت سیکھ لیں، کچھ لکڑی کا کام سیکھ لیں، کوئی لوہار کا کام سیکھ لیں، الیکٹریشن کا کام سیکھ لیں اور جب فارغ التحصیل ہو جائیں تو اپنے ان کاموں سے روزی کما سکیں۔

میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ ہم نے سولہ سال محنت کر کے ایک عالم اس لیے تیار کیا تھا کہ وہ علمی کام کرے گا۔ اگر تم اس کو بڑھئی بنا دو گے تو پھر ہماری ساری محنت تو بے کار چلی جائے گی ذرا سوچئے! آپ یہ مشورہ کسی کالج سے فارغ ہونے والے طالب علم کو کیوں نہیں دیتے کہ صاحب! یہ میڈیکل کالج سے فارغ ہوا ہے یا

اس نے ایم۔اے کیا ہے یا پی۔ ایچ۔ ڈی کیا ہے۔اس کو بڑھئی کا کام بھی سکھا دو تا کہ یہ اپنا پیٹ پال سکے۔اگر تم ڈاکٹر کو لوہار بنا دو گے تو اس سے بڑی حماقت کیا ہو گی۔

دینی وعلمی خدمات کے لیے کیسے افراد کی ضرورت ہے؟

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالبعلمی کے زمانے میں میرا جذبہ یہ تھا کہ پڑھنے کے بعد جتنا بھی دین کا کام کروں گا، بلا معاوضہ کروں گا اور اپنا گزارا کرنے کے لیے میں نے دو ہنر سیکھے۔ ایک خطاطی (کتابت کا کام) دوسرا، جلد بندی، (بائنڈنگ) (والد صاحب رحمۃ اللہ یہ دونوں کام خوب جانتے تھے۔ میں نے ایک کتاب ایسی بھی دیکھی ہے جو تصنیف بھی ان کی تھی، اس کی کتابت بھی انہوں نے کی تھی، چھپوایا بھی انہوں نے تھا اور پھر اس کی بائنڈنگ (جلد بندی) بھی انہوں نے کی تھی)۔فرمایا کہ ان دو کاموں کے علاوہ میں نے علم طب یونانی بھی پڑھا تھا کہ اپنے گزارے کے لیے اس فن سے بھی کام چلاؤں گا۔لیکن بعد کے تجربات نے یہ بتلایا کہ اگر علم دین کا کام کرنا ہے تو وہ دن رات کی انتھک محنت چاہتا ہے۔ جب تک صبح سے لے کر شام تک اس میں نہیں کھپیں گے، اس وقت تک اس میں مہارت پیدا نہیں ہوگی، اس لیے مجبوراً مجھے یہ کام چھوڑنا پڑا اور دارالعلوم دیوبند میں معمولی سی تنخواہ پر بیس سال تک تدریس وافتاء کا کام کیا۔

فارغ التحصیل طلبہ و طالبات کی تعداد:

اب میں ایک دو باتیں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

الحمدللہ، اس سال ہمارے جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی تعداد تین سونوے ہے۔ اور مدرسۃ البنات سے فارغ ہونے والی طالبات کی تعداد چونتیس ہے۔ اس طرح فارغ التحصیل ہونے والے کل طلبہ و طالبات کی تعداد چار سو چوبیس ہے۔

اس کے علاوہ دارالعلوم کورنگی، نانک واڑہ اور بیت المکرّم گلشن اقبال سے حفظ قرآن مکمل کرنے والوں کی تعداد ایک سو چوالیس ہے۔ ان کے علاوہ دارالعلوم کی شاخیں کراچی میں جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں، وہاں حفظ قرآن مکمل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اس تعداد میں شامل نہیں۔

باہمت طلبہ:

دوسری بات عرض کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کرتا جاؤں کہ دورۂ حدیث کی تعلیم باقی درجوں سے مختلف انداز کی ہوتی ہے۔ اس میں صبح تعلیمی وقت سے بھی پہلے اسباق شروع ہو جاتے ہیں اور ظہر کے قریب تک جاری رہتے ہیں۔ پھر ظہر سے عصر تک اور پھر مغرب سے لے کر رات گیارہ بجے تک جاری رہتے ہیں۔ اتنے طویل دورانیے کے باوجود ان تین سونوے طلبہ میں سے پینتالیس باہمت طلبہ ایسے ہیں جو ایک منٹ کے لیے سبق سے غائب نہیں ہوئے اور اسباق کے دوران باوضو بھی رہتے ہیں۔ اور ان کی ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی۔ اور پچیس طلبہ ایسے ہیں کہ سارے سال کے اسباق ملا کر ان سے ایک صفحہ کی عبارت یا اس سے کم چھوٹی ہے اور ان چھوٹی ہوئی حدیثوں کو بھی انہوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھ کر اس کی کمی کو پورا کرلیا ہے۔ ایسے طلبہ کو جامعہ کی طرف سے خصوصی انعام دیا جائے گا۔

ان کلمات کے ساتھ میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ رب العالمین.

........❖........

قصص القرآن

مشہور و معروف مفسر علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ کی شہرہ آفاق
تصنیف "تفسیر ابن کثیرؒ" سے ماخوذ دلچسپ قرآنی قصے اور واقعات

مؤلف: علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ

اردو ترجمہ: قصص القرآن

تحقیق: عادل الجنزوری

مترجم
لجنۃ المصنفین لاہور

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۴۸۳

انبیائے کرام علیہم السلام

انسائیکلوپیڈیا

انبیائے کرامؑ سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی سوالاً جواباً
لکھی جانے والی سب سے مفصل مستند اور ضخیم کتاب

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۳۸۳

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اسلامی اخلاق

تالیف

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مدظلہ العالیہ

(مہتمم جامعہ محمودیہ میرٹھ انڈیا)

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳

اللہ کی رحمت سے محروم لوگ

اُن سو افراد کا تذکرہ جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

اردو ترجمہ

مِأۃ مِمَّن لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

مؤلف

سلمان نصیف الدحدوح

مترجم

مولانا محمد زکریا اقبال

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳